خواتینِ اسلام اور حدیث

از

(۱)

میجر جنرل محمد اکبر خان
(رنگروٹ)

اسلامک آئیڈیالوجی آن وار سیریز

علی بک ڈپو ۵۴ اردو بازار ۔ کراچی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

BP
135
.8
.W4A4

تعداد :- ایک ہزار

طباعت :- مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

تاریخ نومبر سنہ ۶۶ء

قیمت :- ۲ روپے ۵۰ پیسے

اسی مضمون پر انشاء اللہ تعالیٰ ایک اور کتاب ہم
اپنی بہنوں کو پیش کریں گے

ناشر

باہتمام خیر علی خان اعوان مالک علی بکڈپو کراچی

انتساب

یہ کتاب میں اپنی والدہ ماجدہ کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں
حدیث ہے کہ جنّت ماں کے پاؤں تلے ہے۔

جنرل اکبر خان

یہ کتاب ہم نے اپنی بہنوں کے لئے اس غرض سے لکھائی ہے کہ وہ اس بات کو سمجھیں کہ خواتین نے جہاد میں حصہ لیکر کس طرح اسلام کی خدمت کر کے اپنے وقار کو بلند کیا ہے۔ محفل میلاد میں اُن واقعات کو دہرانے سے ہماری نئی پود کو اسلام سے رغبت اور فلسفہ جہاد کو سمجھنے کی توفیق حاصل ہوگی خدا کرے کہ ہماری آئندہ نسلیں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا میں سرخ رو و سر بلند ہو سکیں۔

ناشر

ہم نے ملک کے مشہور و معروف جنرل محمد اکبر خاں صاحب سے فنِ جنگ پر ایک ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کی ہے جو فن حرب کے تمام اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ جامعہ کراچی کے MILITARY SEIENEE کے نصابی تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہو۔

امید ہے کہ یہ کتاب جلد ناظرین کی خدمت میں پیش کی جائیگی۔

ناشر

علی بکڈپو اردو بازار کراچی

تعارف

یہ میری انتہائی خوش نصیبی ہے کہ مجھے "خواتین اسلام اور حدیث" کے مطالعہ کا موقع ملا۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب کا نام محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ پاکستان کی فوج کی اہم ذمہ داریوں سے سبکدوشی کے بعد آپ نے علم و ادب کی دنیا میں قدم رکھا اور متعدد کتابیں لکھی ہیں جو علم و ادب کے باب میں بہترین کارنامہ ہے۔ آپ کی کتابیں بہت مقبول ہیں۔ ملک و ملت سے وفاداری کا تقاضا ہے کہ جو لوگ اپنی قوم کے افراد کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورت بہت اعلیٰ مقام پر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ آپ کی یہ کتاب جو "خواتین اسلام اور حدیث" کے عنوان سے منظرِ عام پر آرہی ہے اپنی مثال آپ ہے۔ جس کی ہم کو طویل مدت سے اہم ضرورت تھی۔ اسلام کی تاریخ میں خواتین کا جو احادیث میں حصہ ہے وہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا.... لیکن بدقسمتی کہیئے یا ہمارے کرم فرماؤں کی کوتاہی سمجھیئے کہ انہوں نے خواتین کے اس اہم کردار کو کبھی اہمیت نہ دی اور نہ ہی علمائے اکرام نے کبھی اس اہم کردار کو دنیا کے روبرو مثال کے طور پر پیش کیا بلکہ اس پر ہمیشہ پردہ ہی ڈالتے رہے ہے۔ معزز مصنف نے اس کتاب کو پیش کر کے مسلمان خواتین کے باب میں

دوبارہ ایک نئی روح ہی نہیں پھونکی بلکہ ایک بھلائی ہوئی حقیقت کو دنیا کے سامنے آشکار کر دیا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں مسلمان خواتین کے بہادری اور جاں نثاری کے عظیم الشان کارنامے موجود ہیں مگر وہ پس پردہ رکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر ان کارناموں کو مسلمان خواتین کے سامنے پیش کیا جاتا تو یہ بعید نہ تھا کہ آج انکی حالت اسقدر بدلی ہوئی ہوتی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اصلاحات میں جو سب سے اہم اصلاح سمجھی تھی وہ عورت کے باب میں موجود ہے اور دورِ جہالت میں انتہائی پستی و ذلت کے مقام۔ محکومی اور حقارت کے برتاؤ نے خود عورت کے ذہن سے عزتِ نفس کا احساس مٹا دیا تھا اور وہ خود بھی اس امر کو بھول گئی تھی کہ وہ دنیا میں کوئی حق لے کر پیدا ہوئی ہے۔ اس تاریک ماحول میں جس نے تبدیلی پیدا کی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو تھے۔ جنہوں نے بتایا کہ "عورت" بھی ویسی ہی انسان ہے جیسا "مرد" آپ نے دنیائے عالم کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگاہ کیا کہ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ

ترجمہ:۔ "اللہ نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا اور اس سے بہت سے مرد اور عورتوں کو پیدا کیا۔"

چنانچہ باری تعالیٰ کی نگاہ میں عورت اور مرد کے درمیان

کوئی کمتری یا حقارت نہیں ہے۔ معزز مصنفہ نے مسلمان خواتین کے وہ اعلیٰ کردار جو انہوں نے دورانِ جنگ ادا کئے، بتاتے ہوئے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ حقوقِ نسواں تعلیم نسواں اور بیداریٔ اناث کے جو الفاظ ہم سنتے ہیں یہ سب اس انقلاب انگیز صدا کی بازگشت ہیں۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بلند ہوئی تھی۔ اور جس نے افکار انسانی کا رخ ہمیشہ کے لئے بدل دیا۔ آپ نے عورتوں کی ذہنیت کو تبدیل کر دیا۔ اور ان کی باطنی اصلاح پر ہی اکتفا نہ فرمائی بلکہ قانون کے ذریعہ سے بھی عورتوں کے حقوق کی حفاظت کر دی۔ اور ان میں شعور و جذبہ بیدار کر دیا۔ عورت کو مجاہدہ کا کردار ادا کرتے ہوئے دکھا دیا۔ عورت کو کمانڈر بنا کر اس کی اہلیت کے لئے دنیا کو ثبوت فراہم کر دیا۔ تاکہ دنیائے عالم میں یہ اعلیٰ مقام مسلمان عورت کو حاصل ہو اور مسلمان عورت خود کو صرف آرائش۔ زیبائش۔ عیش اور طرب کے لئے مخصوص نہ کر دے۔ بلکہ وہ ازدواجی زندگی کے تمام فرائض ادا کرتے ہوئے اپنا یہ فرض بھی خیال کرے کہ اس پر اپنے وطن کی حفاظت اور اپنی قوم کا بھی حق ہے اور جب وقت آئے تو وہ مجاہدہ کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کر سکے۔

"خواتین اسلام اور حدیث" کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سب سے اول "حدیث" اور "وحی" میں کیا اہم کردار

تھا ؟؟ اور قبول اسلام میں سب سے اوّلین مقام تھا۔ حضرت فاطمہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ حضرت لبنہ جو حضرت عمرؓ کی کنیز تھیں انھوں نے کس طرح ایمان کے صادق جذبہ سے سرشار ہو کر بے مثال ایثار و قربانی کا ثبوت دیا تھا۔ اور ایک مضبوط ارادے کے شخص کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا تھا۔

اسی طرح اس کتاب میں آپ کو حضرت زینبؓ کا کردار نظر آئیگا۔ جبکہ وہ ایک یہودی دشمن کو خیمہ کی میخ مار کر ختم کر دیتی ہیں اور اس کی گردن کاٹ کر پھینک دیتی ہیں۔

امِ کلثوم کی بہادری اور شجاعت ملے گی جبکہ ان کو ملک کی حفاظت کی اہم ذمہ داری دی جاتی ہے۔ عمل صالح اور نیک کردار میں اللہ تعالےٰ نے مسلمان مرد اور مسلمان عورت دونوں کا درجہ برابر رکھا ہے اور اسی لئے قرآن میں حکم آیا ہے کہ وَالمُسْلِمِین وَالمسلمات ..... وَالمومنین وَالمومناتْ ...... !!

رسولِ اکرمؐ کے لیواؤں اور دلداوں کو چاہیئے کہ آپ کے نقشِ قدم پہ چلیں اور جب وہ محفل میلاد النبیؐ میں ذکر فرمائیں۔ شارعِ عام پر تقریریں کریں۔ نشر و اشاعت میں حصہ لیں تو صرف مردوں کے کارنامے ہی بیان نہ کریں بلکہ مسلمان خواتین نے جو احادیث میں اہم حصہ لیا ہے اور کارنامے انجام دیئے ہیں ان پر بھی روشنی ڈالیں۔ رسولِ اکرمؐ ہی نے تو عورت کو حقیقت میں اصل عورت بنا دیا تھا۔

تاکہ اس کی گود میں جو بچے پرورش پائیں وہ مجاہد و مجاہدہ .... مومن اور مومنہ بن کر اسلام کی خدمت کریں اور جنگ میں حصہ لے کر اپنے ملک کی حفاظت کریں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط

ترجمہ:۔ لوگوں رسول کی ذات تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

قابلِ مبارک باد ہیں میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب جنہوں نے اپنی قوم کی مسلمان خواتین کو سیدھی راہ پر چلنے کا پیغام دیا ہے اور رسول کریم کی سنت کا اتباع کیا ہے۔ انھوں نے خواتین کو اس زندگی کی یاد دلائی ہے جو امّ المومنات، صحابہ اکرام کی بیویوں اور دیگر مسلمان خواتین نے بسر کی۔ جو ہر مسلمان عورت کے لئے مشعل راہ ہے۔

دعا ہے کہ ان کی یہ کتاب مسلمان خواتین کے لئے رہبر اور رہنما ثابت ہو۔

عرشیہ علوی

خواتینِ اسلام اور حدیث

حرفِ آغاز

ایک مسلم و مسلمہ کے لیے تو نبی اکرمؐ کی ذات اقدس و گرامی اس لیے بھی محبوب و مطلوب ہو سکتی ہے کہ اس کے ایمان وایقان کے مطابق آپؐ اللہ کے رسولِ برحق ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی اپنا کلامِ پاک قرآن مجید کی صورت میں آپ پر نازل فرمایا اور حضورؐ کا اسوہ حسنہ قرآن مجید کے بموجب ایک مکمل اور اکمل انسانی زندگی کا آئینہ دار بنا۔ اسلئے ایک مسلمان کے لیے حضور کی متابعت ہی دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کا باعث ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو آنحضرتؐ کا پیغام صرف مسلمانوں کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ یہ ایک عالمگیر پیامِ امن و آزادی ہے۔ تاکہ تمام دنیا میں امن قائم ہو۔

آنحضرتؐ کی سیرت پاک کے متعلق بڑی کاوش سے اور محنت سے متعدد کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں جن کے مطالعہ سے حضورؐ کی عام زندگی کے ہر شعبہ و ہر واقعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے سیرت پاک پر روشنی

ڈالنے اور ہمیں یاد دلانے کے لئے ہر سال میلاد کے جلسے قائم کئے جاتے ہیں۔ مگر آنحضرتؐ نے مسلمہ کے لئے جو قابلِ تقلید اور یادگار نقوش چھوڑے ہیں۔ ان کو اجاگر اور نمایاں کرنے کی طرف آج کل مناسب توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ خصوصاً جبکہ ہم مغربی اثرات کے تباہ کن دور میں سے گذر رہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ کتبِ تاریخ۔ تاریخ و سیر میں ان حالات کو کافی شرح و بسط سے درج کیا گیا ہے۔ مگر میری ناقص میں ان بکھرے ہوئے جواہر ریزوں کو یکجا کرنا ضروری ہے تاکہ مسلمہ کو معلوم ہو کہ حدیثِ رسول اللہ میں خواتین اسلام کا کسقدر نمایاں اور قابل تقلید حصہ ہے۔ عموماً اس نقطہ نظر پر کم توجہ دی جاتی ہے۔ مثلاً عورت بحیثیت بیوی۔ بحیثیت ماں۔ اسی طرح شوہر اور بیوی۔ باپ اور بیٹا۔ اور بیٹے اور باپ میں کیسے نقاط کی تقلید کو ہم پر عیاں کیا گیا ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ بچے کا اپنی انّا۔ بہن، بھائیوں کے آپس کے تعلقات کی کون کونسی روایات ہم بھول گئے ہیں۔ جن کی یاد دہانی محفلِ میلاد میں لازم و ملزوم ہے۔ ہم یہ اعتراض نہیں کرتے کہ نمایاں روایات کو نہ دوہرایا جائے مگر بھولی بسری روایات کا سمجھنا اور سمجھانا ضروری شرط ہے۔

علاوہ ازیں خواتین کی میلادی محفلوں نے آج کل ایک نئی وضع اختیار کر لی ہے جس میں ترنم پر تو زور دیا جاتا ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس میں مواد کچھ بھی نہیں ملتا۔

اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ شرک کی رسمیں ان خواتین کے میلادی جلسوں میں بُری طرح سے جڑیں قائم کر رہی ہیں۔ ان محفلوں میں ہندو رواج کی طرح سے خواتین مقررین نے پیشہ ور کی کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ جو جذبات کو ابھارتی ہیں سنوارتی نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ بگاڑتی ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

میرا مقصد علمائے کرام اور بہنوں کو صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ یہ حدیثی پہلو بہت ہی اہم ہے۔ مثلاً جنت ماں کے قدموں تلے ہے اور ماں کی گود کی پرورش نہایت ہی اہم ہوتی ہے" اگر ہماری بہنیں ان حدیثوں سے نا آشنا ہیں تو قصور ہمارا ہے۔ اور یہ ذمہ داری علمائے کرام کے علاوہ ہم سب کے سر پر ہے۔ میری گذارش یہ ہے کہ وہ اصحاب جو صاحب علم و قلم ہیں اس مضمون پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈالیں۔ میں تو زنگر وٹ ہوں جس کا یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے ؎

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری

میری خواہش یہ ہے کہ یہ مضامین کتابچوں کی صورت میں پیش کروں تاکہ پڑھنے والوں کو انتظار نہ کرنا پڑے اور زنگر وٹ کو بھی اس خیال کی مقبولیت کا اندازہ ہو جائے۔ اس دیدہ دلیری کے لئے علمائے کرام اور بہنوں سے معافی کا خواستگار ہوں۔ "گر قبول افتد زہے عز و شرف"

آخر میں، میں عزیزہ عرشیہ علوی کا بالخصوص اور دوسری بہنوں کا بالعموم ممنون ہوں جنہوں نے مجھے اس نیک کام کرنے کی طرف رغبت دلائی جزاک اللہ،

میری دیوانگی سے انقلاب آئیگا دنیا میں
یہ کیا فرما رہے ہیں آپ ؟ دیوانے سے کیا ہوگا ؟

رنگروٹ

میجر جنرل محمد اکبر خان

قدسی۔ کراچی ۲۹

باب اوّل

حضرت ہاجرہؓ

فریضۂ حج کی ادائیگی کی اہمیت سے کوئی مسلم ہو یا مسلمہ نا آشنا نہیں ہے اور خوش قسمت افراد جو فریضۂ حج ادا کرتے ہیں وہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ زمزم کا مبارک و مقدس چشمہ حضرت ہاجرہؓ کی پریشانی کو دور کرنے کی غرض سے اللہ تعالےٰ نے جاری کیا اور صفا و مروا کا مقام ایک ماں کی ممتا کی یادگار ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ منیٰ کے مقام پر حجاج اُس رسم کی یاد کو تازہ کرتے ہیں جہاں شیطان سے نجات حاصل کرنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؓ نے اس پر کنکریوں کی بارش کی تھی۔ لطف تو یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کے طواف کے بعد سب سے پہلے آب زمزم۔ صفا و مروا کی رسم ادا کی جاتی ہے اور پھر منیٰ کے فرائض ادا کی جاتی ہے۔ معاً سب کے دلوں میں ان فرائض کی ادائے گی کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کی تعلیم کی یاد دہانی مطلوب ہے مگر اس واقعہ کو جب ہم بنظر غائر دیکھتے ہیں تو ہماری ناقص رائے میں ایسا معلوم ہوتا کہ اللہ تعالےٰ کو

بھی ماں کی ممتا کی پریشانی کو دیر تک دیکھنا مطلوب نہ تھا۔ یا یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی محبت کا انتہائی بلند مقام عطا فرما دیا جس کی یاد زندہ رکھنا کعبہ شریف کے طواف کے بعد لازمی ارکان قائم کر دیا۔

ایک صحابی نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ "یا رسول اللہؐ" دنیا میں سب سے زیادہ حرمت و خدمت کس کی افضل ترین ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا "ماں کی خدمت" صحابی نے پھر عرض کی "اس کے علاوہ؟" آنحضرت نے فرمایا۔ "ماں" صحابی نے تیسری بار پھر یہی سوال کیا۔! آپؐ نے پھر فرمایا۔ "ماں" غالباً اسلئے یہ حدیث ہے کہ ماں کے پاؤں تلے جنّت ہے۔

منیٰ کے ارکان کی ادائیگی کے وقت ہمیں یہ یاد دلانا مقصود تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ربّی ہوتا ہے کہ عزیز ترین شے کی قربانی کرو۔ آپ سو شتر قربان کر دیتے ہیں۔ اور آخر کار آپ پر آشکارہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے آپ کے اکلوتے اور چہیتے بیٹے کی قربانی مطلوب ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنی زوجہ بی بی ہاجرہؓ سے اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ اس کا جواب لڑکے کی ماں یہ دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں اگر ایسے ہزار قابل اور مقبول بیٹے ہوں تو بھی میں خوشی سے یہی کہونگی کہ ضرور اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لائیے۔ ہاں اتنا ضرور عرض کرتی ہوں کہ اس کے ہاتھ پاؤں ضرور باندھ دیجئے گا۔

اور آنکھوں پر پٹی بھی خدانخواستہ قربانی کرتے وقت آپ کے دل میں رقت پھر لغزش نہ آجائے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اب پھر اپنے بیٹے اسمٰعیل سے فرمایا کہ حکم ربی یہ ہے اور تمہاری ماں کی یہ رائے ہے اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا کہ آپ تعمیل حکم میں ذرا بھی دیر نہ کیجئے۔ میں راضی برضا ہوں۔ آپ مجھ میں کوئی کمزوری نہ پائیں گے۔ شیطان نے ہر مقام پر باپ۔ ماں اور بیٹے کو ہر طرح ورغلانے کی کوشش بھی کی مگر ناکام رہا۔ پھر بھی ڈھیٹ بنکر اپنی بات دوہراتا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اسکو کنکریاں مار کر بھگا دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان کے ورغلانے کے باوجود بھی اللہ کے حکم کو پورا کرنے کا جذبہ اسی طرح قائم رہا۔

غرضیکہ حج کے اس رکن کے وقت ہمیں یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ خاوند کو بیوی اور بیوی کو خاوند پر پورا اعتماد اور ہم خیال ہونا نہایت ہی مبارک عمل ہے۔ اسی طرح والدین کو اولاد پر اعتماد اور اولاد کو والدین پر بھروسہ ایک ایسا عمل ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی۔ بیٹے کی جان بچی۔ ماں کی ممتا بھی کامیاب ہی۔ بیوی کے اعتماد کا اللہ تعالیٰ نے بھرم قائم رکھا اور باپ کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پوری کرنے کی غرض سے اس کے بیٹے کو نبی کا ذبیحہ عطا فرمایا اور پھر تینوں کو ایک

عظیم ترین نعمت یہ بخشی کہ مسلمان کے لئے مشعل راہ بنی حتیٰ کہ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو پنجگانہ نماز میں یہ دعا پڑھنے کی ہدایت فرمائی کہ "اے اللہ تم حضرت محمدؐ اور اس کی آل اور امت کو ایسی نعمتوں سے سرفراز فرما جیسے تم نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل کو رحمت سے سرفرازا"

کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ ہم ہر محفلِ میلاد میں اس مبارک ارکان حج کو وضاحت سے بیان کریں کہ اللہ کی راہ میں ہر کام مبارک ہے اور بہت ہی عظیم اجر اپنے ہمراہ لاتا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی۔ ماں اور باپ اور بیٹے میں یکجہتی ہم آہنگی کو اللہ تعالےٰ نے کسقدر نیک اجر سے نوازا ہے۔ اور عورت کے درجے کو اسلام نے کس عروج پر پہنچایا ہے۔ اس سلسلے میں ہم بہت کچھ لکھ سکتے ہیں۔ مگر مناسب یہ ہے کہ مختصراً بیان کریں۔ حضرت ہاجرہؓ نے اللہ کی راہ میں اپنے خاوند کی ہم آہنگی، کن کن مصائب کا مقابلہ نہایت خندہ پیشانی سے کیا۔ ان نیک ہستیوں کو اللہ تعالےٰ کا فرمان چونکہ قرآن مجید میں درج ہے۔ پیش نظر تھا کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں بھی پہلے نیک بندوں کی طرح آزمائیگا۔"

حج کے یہ ارکان عرصہ تک حضرت اسمٰعیلؑ کے وصال کے بعد بھی قائم رہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جب آنحضرتؐ نے پھر سے ابراہیمی اسلام کو دوبارہ صحیح طریقے سے زندہ کیا تو ان ارکان حج کو

قائم رکھا۔ اِن کا قائم رکھنا ہی اِس امر کی دلیل ہے۔ امت محمدیؐ کے نمود سے قبل توحید بھی تھی اور حج کا قیام بھی تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ظہورِ اسلام سے قبل کے ایام کو عہد جاہلیت کیوں پکارتے ہیں ؟

مختصراً اس کی وجہ یہی بتائی جا سکتی ہے کہ خانہ کعبہ میں ہر قبیلے کا اپنا اپنا جداگانہ خدا تھا۔ عورت کی وقعت ایک بھیڑ بکری یا جانور سے زیادہ نہ تھی۔ حتیٰ کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیویاں سوائے اس کی اپنی ماں کے ترکہ میں ملتی تھیں۔ زنا عام تھا۔ شراب نوشی رائج اور مقبول تھی۔ مؤرخ طبری نے لکھا ہے۔

"جب جرہم کعبہ کا متولی ہوا ...... جرہم نے میں بدمعاشی اور فسق و فجور شروع کیا۔ بیت اللہ کی حرمت کو باطل کر دیا۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر کسی شخص کو کوئی دوسری جگہ زنا کے لئے نہیں ملتی تو وہ خود کعبہ میں آکر بدکاری کرتا۔! ورنہ زمانہ جاہلیت میں بھی کعبے کی حرمت اسقدر تھی کہ نہ وہاں کوئی ظلم کرتا۔ اور نہ بدکاری کرتا تھا۔"

اسلام کے نمود سے قبل اُس زمانہ کی حکومت اور سلطنت کا

کاروبار بہت منظم قسم کا تھا۔ کیونکہ خانہ کعبہ کا کنجی بردار سدانتہ (حجابتہ) مقرر تھا۔ حجاج کو پانی پلانے کا کام سقایہ (سبیل) کہلاتا تھا۔ محتاجوں کو کھانا کھلانے کا کام رفادۃ کے ذمہ تھا وہ اس کے لیے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتا۔ جنگ کے موقع پر جنگی نشان کا علم (عقاب) قریش کے قبیلے کے ذمہ تھا۔ اہل قریش نے مشورہ کرنے کے لئے چاہے وہ جنگ کے لئے ہو یا کسی شخص کی شادی کے سلسلے میں ہو یکجا ہونا منظور ہو۔ ایک مکان تھا جسے ندوہ کہتے تھے۔ یہاں سے جنگ کے وقت عقاب کو لشکر کے سامنے بلند کرتے اور اس کی حفاظت کے لئے عہد کرتے۔ خون اور تاوان کی وصولی کے محکمے کو اشناق کہتے تھے اور اس کا ذمہ دار ایک قابل سردار چنا جاتا۔

اس طرح سے قبہ۔ اعنہ۔ سفارت۔ ایسار (فال کھولنے کا مقام) اموال۔ محجرۃ۔ عمارۃ اور حکومت تھے۔ ان کا کام علیحدہ علیحدہ سرداروں کے ذمے تھا۔ جو آپسمیں جھگڑے۔ فساد۔ اختلافوں وغیرہ کو طے کرتے۔ مفصلہ بالا بیان سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ براہیمی اسلام کو عوام نے بالکل بدل دیا تھا۔ گو انتظام ملک۔ نظم حکومت اور جنگ وغیرہ سب باتوں کو جب جمع کر کے دیکھا جائے تو مکہ میں ایک خاصی جمہوری حکومت کا قیام تھا۔ اگر کمی تھی تو اخلاقی اور تمدنی کی۔ اس حکومت نے ایسا

خاص قسم کی حکومت قائم کی تھی۔ جس کی نظیر متمدن اقوام میں نظر نہیں پڑتی۔ گو بسا اوقات اور بعض وجوہ سے حکومت شوریٰ (گورنمنٹ اجلاس۔ کونسل۔ پارلیمنٹ تھی۔) کے مشابہ تھی۔ جہاں اخلاق اور اخلاص و تمدن عنقا تھا۔

یہی کمزوری تھی جسے حضرت محمدؐ نے عربوں کے ملک سے نکال باہر پھینکا۔ آپ نے تھوڑے عرصہ میں کیا کیا تبدیلیاں نہ کیں اس کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے محفل میلاد قائم کی جاتی ہیں۔ عورت اور مرد ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ ایک پہیے کے بیکار ہونے سے گاڑی رک جاتی ہے۔ اسلام کو زندہ کرنے کا کام اللہ تعالیٰ نے مسلم اور مسلمہ دونوں پر جہاد قائم کر کے منزل تک پہنچایا یہ کیسے ہوا۔؟ دوسرے باب میں ملاحظہ فرمایئے۔

باب ۲

حضرت عبداللہؐ و حضرت آمنہ

عبداللہ بن عبدالمطلب آنحضرتؐ کے والد تھے۔ قریش بنو کنانہ کی شاخ تھی۔ جس کا آغاز حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے ہوتا ہے۔ عبدالمطلب ذاتی و نسبتی شرافت و فضیلت کی بنا پر خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ عرب کے قبائل آپ کی بہت عزت و تعظیم کرتے تھے۔ عبدالمطلب کا ننھیال یثرب میں تھا۔ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں بچپن کا زمانہ گذرا۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی مکہ کے معزز قبیلہ بنو زہرہ کے شیخ وہب بن مناف کی لڑکی آمنہ سے کی تھی۔ آمنہ نجیب الطرفین ہونے کے علاوہ ذاتی شرافت و ذہانت و سیرت و صورت میں مکہ کی تمام لڑکیوں میں ممتاز تھیں۔

شادی کے تھوڑے عرصہ بعد عبدالمطلب نے عبداللہ کو

ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام بھیجا۔ مگر اس سفر سے واپسی پر عبداللہ یثرب میں انتقال کر گئے۔ یہ واقعہ رحلت آنحضرتؐ سے دو ماہ پہلے کا ہے یعنی ۲۲ اپریل ۵۷۱ء یوم دوشنبہ دنیا میں بحالت یتیمی تشریف لائے۔ جس وقت عبدالمطلب کو پوتے کی پیدائش کی خبر ملی۔ آپ خانہ کعبہ میں تھے۔ بہت خوش ہوئے۔ عبدالمطلب کا بیان ہے کہ گھر جا کر۔ میں نے زچہ خانہ میں بہو سے آواز دے کر کہا کہ بچہ مجھے دکھاؤ۔ تو آمنہ نے جواب دیا کہ مجھے غیب سے ہدایت ہوئی ہے کہ تین دن تک بچے کو کسی کو نہ دکھاؤں۔ مگر اس جواب کی پرواہ نہ کر کے میں آگے بڑھا اور بچے کو دیکھنا چاہا۔ تو ایک مہیب شکل نے مجھے روک دیا۔"
تین دن گزرنے کے بعد عبدالمطلب نے پوتے کو گود میں اٹھا کر خانہ کعبہ میں گئے۔ اس کے لئے اپنے رب سے برکت حاصل کی اور محمد نام رکھا۔ امرائے عرب کے دستور کے مطابق آپ کو دوسرے مہینے دودھ پلانے کے لئے حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا۔

حلیمہ سعدیہ کا بیان ہے کہ

"بچہ نہایت خوش اطوار۔ حمیدہ خصائل اور صابر و قانع تھا۔ خود ایک طرف کا دودھ پیتا تھا اور دوسری طرف کا میرے بچے عبداللہ کے لئے چھوڑ دیتا تھا۔ نویں مہینے میں بولنا شروع کر دیا

اور دوسرے سال دودھ پینا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں اسے بی بی آمنہ کے پاس لائی۔ وہ بچہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور میرے اصرار پر انہوں نے دوبارہ اسے اپنے ساتھ لانے کی اجازت دے دی"۔

جب آنحضرتؐ کی عمر پانچ سال ہوئی تو آپ اپنی والدہ کے پاس رہنے لگے۔ جب آنحضرتؐ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو بی بی آمنہ اپنی کنیز اُمِ ایمن کو ساتھ لے کر اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے یثرب تشریف لے گئیں۔ ایک سال کے قیام کے بعد یثرب سے مکہ واپس آ رہی تھیں کہ ابوا کے مقام پر انتقال فرما گئیں۔ اور آنحضرتؐ کو اُمِ ایمن ہمراہ لیکر ان کے دادا عبدالمطلب کے پاس آئیں۔ عبدالمطلب کو بہو کے انتقال کا سخت صدمہ ہوا۔ آپ کی پرورش انھوں نے اپنے ذمہ لی۔ لیکن ان کی عمر کا جام بھی لبریز تھا۔ حضرتؐ آٹھ ہی سال کے تھے۔ کہ انھوں بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ مگر مرنے سے پہلے انھوں نے اپنے بیٹے ابو طالب کو بلاکر ان کی تربیت و پرداخت ان کے سپرد کر دی۔ ابو طالب نے آپ کے ساتھ اپنی اولاد کی طرح سے محبت و شفقت کا سلوک کیا۔ آنحضرت انہیں کے پاس اور ساتھ رہتے تھے۔

ابوطالب بھی اور قریشی لوگوں کی طرح تجارت پیشہ تھے۔
ایک مرتبہ ابوطالب قریش کے ساتھ تجارت کے لئے شام جانے لگے۔ جب قافلہ کی روانگی کا وقت آیا۔ اور جانے کے لیے بالکل تیار ہو گئے۔ آنحضرتؐ چچا سے لپٹ گئے۔ ابوطالب کو ان پر ترس آیا۔ انھوں نے کہا۔

"خدا کی قسم ہے میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اور آئندہ بھی ان کو اپنے سے علیحدہ نہ کروں گا۔"

چنانچہ آنحضرتؐ قافلہ کے ساتھ شام روانہ ہو گئے۔
مورخ طبری نے لکھا ہے۔

"یہ قافلہ شام کے علاقے میں بصریٰ مقام پر فروکش ہوا۔ یہاں بحیرا نام ایک راہب اپنی خانقاہ میں رہا کرتا تھا یہ نصرانیوں کا بڑا عالم تھا۔ جب قریش کا قافلہ اس سال اس کے ہاں فروکش ہوا۔ بحیرا نے ان کے لئے بہت سا کھانا پکوایا اور یہ اس لئے کہ اس نے اپنے صومعہ میں سے رسول اللہ صلعم کو دیکھا تھا۔ کہ اور تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف آپ پر ایک بدلی سایہ فگن چلی آتی ہے۔ جب یہ قافلہ اس کے قریب آکر ایک درخت کے سایہ میں اترا تو اس نے اس بدلی کو دیکھا کہ اس نے درخت کی شاخوں

کو رسول اللہ پر سایہ ڈالنے کے لئے جھکا دیا ہے اور اب وہ پورے سایہ کے نیچے فروکش ہیں۔

یہ دیکھکر بحیرا اپنی خانقاہ سے اترا اور اُن سب کو اس نے اپنے پاس بلا بھیجا۔ رسول اللہ پر نظر پڑتے ہی اس نے آپ کو نہایت غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اور ان نشانیوں کی مطابقت کرنے کے لئے جو اُسے پہلے سے معلوم تھیں۔ وہ آپ کے جسم کی بعض چیزوں کو بغور دیکھنے لگا۔

جب تمام قافلہ کھانے سے فارغ ہو کر چلا گیا۔ اس نے رسول اللہ صلعم سے اُن کی حالتِ بیداری اور خواب کی کیفیت دریافت کی۔ آپؐ نے جب اسے بتانا شروع کیا تو یہ باتیں ان صفات کے عین مطابق تھیں جو اُسے پہلے سے معلوم تھیں۔ اس کے بعد اس نے آپ کی پیٹھ دیکھی تو دونوں شانوں کے بیچ میں مُہرِ نبوت نظر آئی۔ اُس نے ابو طالب سے کہا کہ

"یہ لڑکا تمہارا نہیں معلوم ہوتا۔"

ابو طالب نے کہا۔

"یہ میرا بیٹا ہے۔"

بحیرا نے کہا۔

"یہ ہرگز تمہارا بیٹا نہیں ہے اور اس بچہ کا باپ تو

اب زندہ بھی نہ ہونا چاہیئے۔"

اس پر ابو طالب نے کہا۔

"ہاں یہ میرا بھتیجا ہے۔"

بحیرا نے پوچھا۔

"اس کا باپ کیا ہوا۔"

ابو طالب نے کہا۔" ابھی یہ لڑکا بطنِ مادر ہی میں تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔"

بحیرا نے کہا۔" بالکل ٹھیک ہے۔ اچھا تم اسے گھر لے جاؤ اور یہودیوں سے اِس کی حفاظت کرنا اگر وہ اسے دیکھ پائیں گے اور وہ علامات جن کو میں نے شناخت کر لیا ہے انھوں بھی شناخت کر لیا تو وہ ضرور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ایک عظیم الشان ہونے والا نبی ہے۔ تم فوراً اسے اس کے گھر لے جاؤ۔"

یہ سنکر ابو طالب آپ کے چچا آنحضرت کو لے کر فوراً روانہ ہو گئے اور ان کو مکہ لے آئے۔

مورخ طبری نے لکھا ہے۔

"قبل اِس کے کہ حضرت جبرئیل اللہ کا پیام لیکر آنحضرت کے پاس آئیں۔ آپ ایسے آثار اور واقعات دیکھا کرتے تھے۔ جو صرف انھیں حضرات کو نظر آتی ہیں جن پر اللہ اپنا خاص

فضل وکرم کرنے والا ہوتا ہے۔ چنانچہ حسب بیان سابق آپ نے اپنی آنا حلیمہ کے پاس آکر ان حالات کو بیان کیا جو آپ پر شام کی سرزمین پر مشاہدے میں آتے تھے۔
آپ اپنی آنا حلیمہ کے پاس تھے کہ دو فرشتوں نے آکر آپ کا پیٹ چاک کیا اس میں سے تمام آلائش اور کثافت نکال ڈالی۔ اور اس کے بعد آپ پر وحی نازل ہوتی۔ حضرت ابولسابہ انصاری۔ حضرت عمرؓ۔ ابوجعفر اور عبداللہ بن زید الجرمی سب ہم خیال ہیں کہ آپ کو دوشنبہ کے دن موت ملی۔ ہشام بن محمد ابوموسیٰ اور ابن اسحٰق نے مندرجہ بالا واقعہ کی تصدیق کی ہے۔
آمدن برسر مطلب۔ آنحضرتؐ نے عورت کے مقام کو بچپن میں ہی قائم کر دیا تھا۔ چونکہ آپ کی ماں رحلت فرما گئی تھیں لہٰذا آپ اپنی آنا کے پاس تسلی۔ تشفی۔ رہنمائی اور مشورے کے تشریف لے جاتے۔ اور اسی طرح شیر مادر کے درجہ کی اہمیت وعظمت کو آشکار کیا۔ اور عورت کے متعلق ناقص العقل کے غلط خیال کو ہمیشہ کے لئے یہ ثابت کر کے بتا دیا کہ اللہ رسول نے بھی عورتوں سے مشورہ ورائے لیتے ہیں پس و پیش نہ کیا۔ آنا رکھنے کا رواج گو فی زمانہ بہت کم ہو گیا ہے مگر اس کی اہمیت جہاں بھی اُسے لوگ بچوں کے لئے رکھتے ہیں۔ ان کی حرمت برابر قائم ہے کیونکہ یہ حدیث نبوی ہے۔

نبوت کے بعد جب کبھی انّا حلیمہ آپؐ سے ملنے کے لئے تشریف لاتیں تو آپؐ ادب سے اُٹھکر ان کا استقبال کرتے اور اپنی اوڑھنے کی چادر فرش پر بچھا دیتے تاکہ انّا حلیمہ اُس پر آرام فرمائیں۔

اسلام میں ماں کا درجہ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ "سعید بن منصور نے سنن میں حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ عاصم بن عمر بن خطاب کا اپنی والدہ سے کچھ جھگڑا ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فیصلہ دینے کے بعد عاصم کو مخاطب کرکے کہا۔

"عاصم یہ اچھی طرح جان لو کہ تمہاری والدہ کا پسینہ اور اس کی بو اور ان کی تمہارے ساتھ مہربانی تم سے ہزار درجہ بہتر ہے۔"

باب ۳

حضرت خدیجہ بنتِ خویلا

ہشام وابن اسحٰق سے مروی ہے کہ خدیجہ بنت خویلا بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی نہایت شریف تاجر بی بی تھیں۔ خدیجہ اس زمانہ میں نجیب۔ شریف اور دولت مند خاتون تھیں۔ دوسرے لوگ ان کے مال کی تجارت بطور کمیشن ایجنٹ کرتے تھے اور منافع میں سے وہ کچھ اُن کو دیدیا کرتی تھیں۔ جب خدیجہ کو محمد صلعم کی راست گفتاری۔ امانت۔ نیک کرداری اور امین ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کو بلا بھیجا۔ اور درخواست کی کہ آپ میرا مالِ تجارت لے کر شام جائیں میں اب تک دوسرے تاجروں کو منافع میں سے جس قدر حصّہ دیتی تھی۔ اس سے زیادہ آپ کو دوں گی۔"

ابو طالب کثیر العیال تھے۔ اہل مکہ کو قحط ہونے کی وجہ سے بڑی صعوبت کا سامنا پڑ رہا تھا۔ آپ کے چچا نے اپنی مالی پریشانیوں

کا ذکر اپنے بھتیجے سے کردیا تھا۔ لہٰذا آپ نے خدیجہ کی ملازمت قبول کرلی۔ خدیجہ کے کارندے کئی اور بھی تھے۔ مگران سب کا سردار میسرہ نامی آزاد کردہ غلام تھا۔ خدیجہ نے میسرہ کو بطور خاص تاکید کی کہ وہ محمد کا خاص خیال رکھیں اور قافلہ کی واپسی پر ان کے متعلق مفصل رپورٹ پیش کرے آنحضرتؐ باقی کارندوں کے ہمراہ قافلے میں اپنی مالکہ کا سامان لے کر روانہ ہو گئے۔

خدیجہ عنفوان شباب میں بیوہ ہو گئی تھیں ان کے باپ بھی بہت سا مال و دولت چھوڑ کر وفات پا چکے تھے۔ خدیجہ اس وقت دولت کی تنہا مالک تھیں۔ خدیجہ جوانی میں اپنی بیوہ ہونے پر نہایت حوصلگی۔ دانشمندی اور محنت سے کاروبار کو چلایا اور وہ مکہ کی بڑی مالدار تاجرہ سمجھی جاتی تھیں۔ اور لین دین میں ایمانداری کے لئے مشہور تھیں۔

جب یہ قافلہ سوق حباحۃ جو تہامہ میں واقع ہے شام پہنچا تو وہاں اس نے ایک منزل پر خطورا نامی عیسائی راہب کے خانقاہ کے پاس قیام کیا۔ آنحضرتؐ اس خانقاہ کے قریب ایک ببول کے سایہ میں فروکش ہوئے۔ اس راہب نے سر اٹھا کر میسرہ کو دیکھا اور پوچھا کہ یہ شخص کون ہے جو اس درخت کے نیچے اترا ہے۔ میسرہ نے کہا۔ یہ حرم کا ایک

قریشی ہے۔ راہب نے اس سے کہا۔

"اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کبھی شخص آج تک فروکش نہیں ہوا ہے۔ کسی زمانے میں یہ ساری دنیا کا سردار ہو گا۔"

آنحضرتؐ تجارت کے مال کو جو آپ اپنے ہمراہ لائے تھے بہت منافع پر بیچ دیا اور اس روپیہ سے جو مال آپؐ شام سے لائے تھے دو چند داموں پر بیچا۔ میسرہ نے خدیجہ سے راہب کا قول بیان کیا۔ خدیجہ نے میسرہ کے علاوہ دوسرے کارندوں سے آپ کے متعلق سوالات کیے۔ سب نے انتہائی تعریف کی۔ خدیجہ کے دل میں راہب کی باتوں اور نصیحتوں کا بہت اثر ہوا۔ آنحضرتؐ کے متعلق اِن کے خیالات کی ایک نئی دنیا تعمیر ہونے لگی۔ کچھ دنوں انھوں نے اپنے خیالات کو پوشیدہ رکھا تاکہ ایسے اہم معاملہ پر غور کر سکے۔ پھر ایک وقت آیا کہ انھوں نے آپ کو باقاعدہ پیغام نکاح بھیجا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ مجھے اس معاملہ میں اپنے چچا کی اجازت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل جو بہت بڑے نصرانی عالم تھے کے ہاتھ ابوطالب کے پاس پیام کے ساتھ تحائف بھی روانہ کئے۔ خدیجہؓ کی عمر اس وقت چالیس برس اور آنحضرتؐ اس وقت ۲۵ برس کے

تھے - ابو طالب کو عمر کے تفاوت کی وجہ سے تامل ہوا۔ مگر ابوطالب کی بیوی مشورہ سے یہ نسبت طے ہو گئی - ابوطالب مع اعزہ و اقربا آنحضرتؐ کو لے کر خدیجہؓ کے مکان پر گئے۔ جہاں نکاح ہوا - آنحضرتؐ کے نکاح میں آنے کے بعد خدیجہؓ نے اپنا تمام زر و نقد اور ساری منقولہ و غیر منقولہ جائیداد اپنے اپنے عزیزوں اور بزرگوں کو مطلع کر کے آنحضرتؐ کے حوالہ کر دی اور دونوں اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے۔

جب آنحضرتؐ کی عمر پینتیس سال کی ہوئی تو آپ کا زیادہ وقت ریاضت و استغراق میں بسر ہونے لگا۔ شہر سے باہر غار حرا میں مسلسل کئی کئی دن قیام فرماتے اور اُس حقیقت کی جستجو میں مستغرق رہتے جس کی لگن بچپن سے آپ کے دل کو ہر وقت بے قرار رکھتی

قریش زمانہ جاہلیت میں کسی غار یا ایسی جگہ میں عبادت کے لئے عزلت گزیں ہوتے تھے۔ لہٰذا آپؐ ہر سال ایک ماہ غار حرا میں جا کر بسر کرتے تھے۔ جس مہینے میں آپ غار حرا میں جا کر ریاضت کرتے تھے وہاں جو مساکین آتے آپ ان کو کھانا کھلاتے اور مہینہ پورا کر کے جب واپس آتے تو قبل اس کے کہ اپنے گھر آئیں۔ آپ کعبہ آ کر اس کا سات مرتبہ یا

اس سے زیادہ طواف کرتے اور پھر اپنے گھر آتے
اس طرح جب آپ کی بعثت کا سال آیا اور وہ رمضان
کا مہینہ آیا جس میں اللہ نے آپ کو کرامت نبوت عطا کی
آپ حسب عادت عزلت گزینی کے لئے غار حرا تشریف
لے گئے۔ اس موقع پر آپ کے متعلقین بھی ہمراہ تھے۔ وہ
مبارک رات آئی جس میں اللہ نے اپنا پیام آپ کو بھیجکر
آپ کی عزت افزائی کی۔ اس کے متعلق خود رسول اللہ فرماتے
ہیں کہ میں سو رہا تھا کہ جبرئیل میرے پاس دیبا کا ایک پارچہ
لائے اور پارچہ پر لکھی ہوئی ایک تحریر پیش کر کے فرمایا کہ
اسے پڑھو۔ حضرت نے فرمایا کہ میں امی ہوں یعنی پڑھا لکھا
نہیں ہوں۔ اس پر جبرئیلؑ نے آنحضرت کو بغل میں لے کر اس
زور سے دبایا کہ تکلیف وخوف سے آپؐ گھبرا گئے۔ اس کے
بعد جبرئیلؑ نے پھر فرمایا تو آپ نے ڈرتے ڈرتے پڑھنا
شروع کر دیا۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ ...... اس کے بعد جبرئیلؑ
چلے گئے۔

جب آپ بیدار ہوئے تو آپؐ پر اس واقعہ کی ہیبت
اتنی طاری ہوئی کہ بجائے کعبہ جانے کے پہاڑوں میں
گھومنے لگے اور سوچنے لگے کیا میں شاعر ہوں یا آسیب زدہ
تو نہیں ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں۔"

اس اثنا میں خدیجہؓ نے اپنے آدمی آنحضرتؐ کی تلاش میں دوڑائے۔ انھوں نے تمام مکہ میں آنحضرتؐ کو نہ پاکر پہاڑ کی کھائیوں کی طرف بڑھے اور آخر کار وہ لوگ وہاں پہنچ گئے۔ جہاں آپ کے ساتھ حضرت جبرئیل ہمکلام ہوئے تھے اور سیدھے گھر سے آئے۔

خدیجہؓ نے پوچھا۔ "اے ابوالقاسم کہاں تھے میں نے تمہیں غارِ حرا میں نہ پاکر تمہاری تلاش میں آدمی بھیجے تھے اور وہ خانہ کعبہ اور مکہ میں گئے مگر آپ کا پتہ نہ لگا۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "میں ضرور شاعر ہوں یا آسیب زدہ"، خدیجہؓ نے فرمایا۔

"ابوالقاسم اللہ تم کو اس سے بچاتا رہے۔ میں جانتی ہوں کہ اللہ کبھی تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرے گا۔ وہ خوب تمہاری راستبازی۔ دیانت۔ حسن اخلاق اور صلہ رحمی سے واقف ہے۔ ہوا کیا۔ کہو شاید تم کو کچھ نظر آیا ہے۔"

آنحضرت نے خدیجہ سے فرمایا کہ "مجھے کمبل اڑھاؤ۔" انھوں نے کمبل اڑھا دیا اور حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ میرے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا ہے۔ خدیجہؓ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ آپ صادق۔ امین اور رحمدل ہیں۔ دوسروں کی مصیبت میں کام آتے ہیں۔ مسکینوں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ

آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو ہر آفت سے محفوظ رکھے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نبی ہوں گے۔ میرا دل یہ گواہی دے رہا ہے۔ اس کے بعد آپ کو لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ کے پاس گئیں۔

ورقہ نے خدیجہؓ کا بیان سنکر کہا۔ " خدیجہ اگر یہی واقعہ پیش آیا ہے جو تم بیان کرتی ہو تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کہ یہ جبرئیل تھے اور یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آتے تھے۔ لہٰذا میرا علم یہ یقین دلاتا ہے کہ آپ ایک امت کے نبی ہوں گے لیکن اظہار رسالت اور وحی نزول الہام پر آپ کو سخت اذیت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جبکہ تمہاری قوم تم کو خارج البلد کرے گی۔"

خدیجہؓ نے پوچھا۔ کیا وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔ ؟"
ورقہ نے کہا۔ " ضرور! کیونکہ جس کسی پر اللہ نے وہ سعادت رسالت نازل کی جو محمد پر نازل کی ہے لوگ ہمیشہ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو ضرور تمہاری پوری مدد کروں گا۔

زہری سے مروی ہے کہ " جب ایک عرصہ تک محمد پر وحی نازل نہیں ہوئی تو آپ بہت ہی محزون ہوئے۔ آپ ہر پہاڑ کی چوٹیوں

پر چڑھتے تھے کہ خود کشی کریں۔ اس نیت سے جب آپ کبھی
چوٹی پر پہنچے۔ جبرئیل نمودار ہو کر کہتے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔
اس سے آپ کو اطمینان ہو جاتا اور جان میں جان آجاتی۔"

جابر بن عبداللہ انصاری نے فرمایا ہے۔ کہ رسول اللہ نے
التوائے وحی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ایک دن میں چلا جا رہا
تھا۔ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا
تو وہ فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آیا تھا۔ آسمان اور زمین میں
ایک کرسی پر متمکن نظر آیا۔ میں اس سے سہم گیا اور گھر آکر میں
نے خدیجہؓ سے کہ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ گھر والوں نے کمبل اڑھا دیا۔
تب اللہ عزہ وجل یہ سورۃ یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّر نازل فرمائی۔
پھر متواتر وحی آنے لگی۔"

پھر جب اللہ تعالے نے اپنے نبی محمدؐ کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم
کو اپنے رب کے اس انکار کی وجہ سے جس میں وہ عرصہ سے مبتلا
چلے آتے ہیں اور اپنے خالق اور رزاق کی عبادت چھوڑ کر دوسرے
معبودوں اور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ اللہ کے عذاب سے
ڈرانے اور تنبیہہ کرنے کیلئے کھڑے ہوں اور اپنے رب کی
نعمت کا اظہار اعلان کریں اور اس کی دعوت دیں۔

ابو جعفر نے فرمایا ہے کہ اللہ کی وحدانیت اقرار اور بتوں
تماثیل اور مماثیل سے قطعی اظہار بے تعلقی کے بعد اللہ عز وجل

نے قوانین اسلام میں سب سے پہلے نماز کو فرض کیا۔

واقدی کے مطابق اس بات پر تمام ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلی مسلمہ یا مسلم جس نے رسول اللہ کی دعوت قبول کی وہ حضرت خدیجہ رحمہا اللہ بنت خویلد تھیں۔ یعنی سب سے پہلے آپ کی بیوی خدیجہ رض نے آپ کی تصدیق کی اور وہ آپ پر ایمان لائیں۔ اور ساتھ ہو گئیں۔ اب آنحضرت ص صرف ان گھر والوں سے جن کے متعلق آپ کو اطمینان تھا۔ اس احسان و انعام کا جو اللہ تعالے نے آپ پر اور آپ کے ذریعہ اپنے بندوں پر آپ کو نبوت دیکر کیا تھا۔ ذکر کرنے لگے۔ اور اس طرح سے یہ دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

ابو جعفر فرماتے ہیں۔ " جس وقت سے رسول اللہ پر نماز فرض کی گئی۔ جبرئیل آپ کے پاس آئے اسوقت آپ مکہ اعلیٰ (خانہ کعبہ) میں تھے وہ اشارے سے آپ کو وادی کی سمت میں لے گئے اس سے ایک چشمہ جاری ہوا۔ حضرت جبرئیل نے وضو کیا تاکہ وہ بتا دیں کہ نماز کے لئے اس طرح طہارت کی جاتے۔ رسول اللہ ان کو دیکھتے رہے۔ ان کے بعد ان کی طرح رسول اللہ نے وضو کیا۔ پھر جبرئیل نے کھڑے ہو کر رسول اللہ کو نماز پڑھائی۔ آپ ص نے ان کی اقتدا کی۔ جبرئیل چلے گئے۔ آنحضرت ص خدیجہ رض کے پاس آگئے۔ اور جس طرح سے آپ ص نے

حضرت جبرئیل کو وضو کرتے دیکھا تھا۔ اسی طرح سے آپ نے خدیجہؓ کو بتلانے کے لیے کہ نماز کے لئے طہارت اس طرح ہوتی ہے ان کے سامنے وضو کیا۔ اس کے بعد جس طرح جبرئیل نے آپ کو نماز پڑھائی۔ آپؐ نے خدیجہؓ کے ساتھ نماز پڑھی اور انھوں نے آپ کی اقتدا کی۔

اب آنحضرتؐ اور خدیجہؓ کی دنیاوی زندگی میں انقلاب آگیا۔ سب سے پہلے آپ کے گھرانے میں غلام اور کنیزیں تھیں۔ سب آزاد کردی گئیں۔ زر و دولت اشاعت میں صرف کرنے لگے۔ اور خود آنحضرت اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ درویشانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ حضرت علیؓ اور ابو بکرؓ کے آپؐ کے کچھ آزاد کردہ غلام اور کنیزیں بھی مسلمان ہوگئیں۔ اور یہ چھوٹا سا دائرہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ اور جلد ہی اسقدر پھیلا کہ تقریباً نصف دنیا کو لپیٹ میں لے لیا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اشاعت اسلام کیسے اور کیونکر ہوئی؟ سب سے اہم امر یہ ہے کہ اسلام قائم کرتے وقت اللہ تعالیٰ مسلم اور مسلمہ کو برابری کی حیثیت فرمائی اور دونوں کو اشاعت اسلام کے لئے برابر برابر ذمہ دار ٹھہرایا اور دونو کے لئے جہاد لازم قرار دیدیا۔ یعنی دونوں پر یہ امر فرض ہوا اعتدال۔ دوراندیشی اور فہم و فراست سے غیر مسلموں کو مدلل

اور نرم مزاجی سے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ اشاعتِ اسلام میں جبر و تشدد۔ لالچ یا حرص سے کام لینا منع ہے۔ اور مسلم اور مسلمہ کو جہاں بھی اور جس وقت بھی موقع ملے۔ دوسرے سے نیکی کرنی چاہیئے اور ہر وقت باری کے لیئے مدافعانہ کارروائی کرنے کے لیئے مستعد رہنا چاہیئے اور بفرضِ محال اگر دشمن کی جارحانہ کارروائی سے مجبور ہو کر اس کی روک تھام لازمی ہو جائے تو اُس کے خلاف مدافعانہ جنگ کی جائے۔ جب تک شر ختم نہ ہو جائے۔ مسلمانوں کو جارحانہ جنگ لڑنا چاہیئے وہ بدلے کے لیئے ہو۔ یا حرص کے لیئے یا دولت یا ملک گیری کے بالکل منع ہے۔ جہاد کے فرض ہو جانے سے ہر مسلم و مسلمہ پر فرض عائد ہو جاتا ہے۔ کہ اصول جنگ اور اسلحہ جنگ کے استعمال میں کمالیت رکھنا لازمی ہے تاکہ آپ کی جنگی تیاری سے دشمن مرعوب ہو جائے۔ اسے (یعنی مدافعانہ جنگ کی تیاری کہتے) ہیں۔

محفلِ میلاد کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہم ہر بار یہ اندازہ لگائیں کہ کیا ہم حدیثِ رسول کی صحیح طور سے پیروی کر رہے ہیں اور اپنی خامیوں کا کیا تدارک کر رہے ہیں چاہیئے۔ وہ اشاعت اسلام کی ہو یا جہاد کی۔ علاوہ ازیں محفل میلاد کا مقصد اپنے دائرے۔ تبلیغ کو وسیع سے وسیع کرنا ہے۔ اس دائرے کی

وسعت کی بنیاد حدیثی نظریئے سے یہ ہے کہ پہلے ہر مسلم و مسلمہ ذاتی طور اور مثالی طور سے اسلام کی پابند ہو۔ حرص و طمع، تشدد و غضب و کینہ و شر سے پاک ہو پھر ان اثرات سے دوسروں کی قیادت کرے۔

مرد اور عورت دونوں کے لئے جہد یکساں طور پر لازمی قرار دی گئی۔ ہم نے ابھی تک یہ دیکھ لیا ہے کہ آنحضرتؐ بحیثیت ایک ادنیٰ ملازم بحیثیت بیٹے۔ بحیثیت خاوند بحیثیت دوست اور راہبر بننے کے لئے کیسی شاندار مثال قائم کی ہے۔

ہم نے مختصراً یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے بحیثیت ایک بیوہ۔ مالکہ اور بیوی کی حیثیت میں اپنے فرائض کو کس طرح سے انجام دیا۔ آپ کا اپنے خاوند۔ ملازم اور دیگر رشتہ داروں سے کیا رویہ اور سلوک رہا۔

آنحضرتؐ نے یہ روشن کر دیا کہ عورت کو چاہیئے۔ وہ مالکہ ہو یا بیوی یا بیٹی وہ عزت احترام و برابری کے حقوق رکھتی ہے آپؐ نے سب معاملات میں اپنی انّا حلیمہ اور بیوی خدیجہ سے مشورہ لیا آپکی لامثال کامیابی یہ ثابت کرتی ہے کہ عورت و مرد کا تعاون ہی کامیابی کا راز ہے۔ عورت ایک طرف تو گھر کی منتظمہ ہے اور دوسری طرف باعتبار مشیر اعلیٰ۔ ایسی بہت سی اور بھی باتیں ہیں جن پر محفل میلاد خواتین میں سنجیدگی سے

غور کرنا اشد ضروری ہے۔

باب ۴

امیر المومنین اور لبینہ و فاطمہ

عمر ابن خطاب کی عمر ۲۷ سال کے قریب تھی حضرت محمد صلعم کی ہدایت اور دعوت آہستہ آہستہ پھیلتی جا رہی تھی۔ چیدہ چیدہ لوگوں اور غلاموں اور کنیزوں کی تقریباً ۴۰۔۵۰ کی جماعت اسلام لا چکی تھی، ان میں سے عمر کے گھرانے کی ایک کنیز لبینہ تھی جس نے اسلام قبول کیا تھا۔ عمر بن خطاب اس کنیز کو مارتے مارتے تھک جاتے۔ مگر وہ اسلام چھوڑنے کا نام نہ لیتی تو لبینہ سے کہتے "ذرا دم لے لوں تو پھر اس وقت تک مارتا رہوں گا جب تک اسلام چھوڑ کر اپنے خاندان والوں کے آگے پھر سے توبہ نہ کرو گی۔"

لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا عمر بن خطاب اسکو زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے مگر اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جیسے جیسے ان نومسلموں پر سختیاں کی جاتی تھیں ان کا عزم

بڑھتا ہی چلا گیا اور ان تمام سختیوں پر بھی عمر ایک شخص کو بھی اسلام سے بد دل نہ کر سکے۔ آخر کار ہزیمت سے شرمسار ہو کر دل میں یہ فیصلہ کیا کہ (نعوذ اللہ) خود بانی اسلام کا قصہ ہی پاک کر دیں۔

بزار۔ طبرانی۔ ابو نعیم۔ ابن سعد اور ابو یعلی نے اسلم اور حضرت انس سے روایت کی ہے۔ کہ ہم سے عمرؓ بن خطاب نے بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ کا سب سے زیادہ جانی دشمن تھا۔ ایک دن بڑی کڑی گرمی میں میں مکہ کی ایک گلی میں جا رہا تھا۔ اُس نے ننگی تلوار گلے میں لٹکائی ہوئی تھی کہ راستہ میں قبیلہ بنو زہرا کا ایک شخص ملا اُس نے مجھ سے کہا خیریت ہے کہاں کا ارادہ ہے۔؟ میں نے جواب دیا کہ محمدؐ کو قتل کرنے کا ارادہ ہے تاکہ شر و فساد کی جڑ ہی کٹ جائے۔

بنو زہرا کے اس عرب نے کہا۔ کہ بنی ہاشم اور بنی زہرا سے کس طرح امن سے رہو گے۔؟ میں نے (عمر نے) کہا کہ کیا تو بھی بے دین ہو گیا ہے۔

اس نے جواب میں مجھے کہا "اے عمرؓ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم اپنے کو کچھ سمجھتے ہو اور جو تمہارے گھر میں ہو رہا ہے اس کی تمہیں خبر تک نہیں ہوتی۔ پہلے اپنے گھر کی خبر لو پھر دوسروں پر انگشت نمائی کرنا۔

میں نے کہا کہ ۔ " کیا ہوا ۔ ؟"

اس نے جواب دیا کہ ۔ " آپ کا بہنوئی سعید اور اس کی بیوی یعنی آپ کی بہن فاطمہ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں ۔ اور (اسی خاندان کے معزز شخص) نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے ۔"

عمرؓ بن خطاب ابھی تک اسلام سے بیگانہ اور اسلام کے بدترین دشمن تھے ۔ انھوں نے یہ طعنہ سنا تو سخت برہم ہوئے اور اپنے بہنوئی کے مکان کی طرف چل دیئے ۔

عمرؓ بن خطاب کا بچپن کا زمانہ بہت ہی تکلیف دہ تھا ان کے والد خطاب نے اپنے بیٹے کے ذمے اونٹوں کا چرانا کر دیا ۔ اور یہ شغل نہایت ہی مشکل ہے ۔ خلافت کے زمانہ میں عمرؓ کا گذر اس چراگاہ میں سے ہوا ۔ تو ان کو نہایت عبرت ہوئی ۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا ۔ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا ۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے ۔"

آپؓ کو پہلوانی ۔ تلوار زنی ۔ ننگے پاؤں ۵۰ میل کی دوڑ اور شہسواری میں شہرت حاصل تھی ۔ اسلام لانے سے قبل آپ بہت ہی سخت گیر ۔ جابر اور غضبناک انسان مشہور تھے ۔ اسی لئے عوام ان سے خم کھاتے تھے ۔ اور بیل و چرواں سب ان سے گھبراتے

تھے۔

اب ہم حضرت عمرؓ کے بیان کو پھر سے جاری رکھتے ہیں۔
"میں نہایت غصے میں پیچھے لوٹا اور اپنے بہنوئی کے گھر پہنچکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے کسی نے پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا عمر ہوں۔ اندر کے تمام آدمی گھبرائے اور مجھ سے ڈرے۔ حضرت خباب بھی تشریف رکھتے تھے۔ مگر میری آواز سنکر خباب ایک طرف ہٹ گئے۔ یہ تینوں آہستہ آہستہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ اس کتاب کو جلدی میں انھوں نے وہیں رکھدیا۔ اور اٹھانا بھول گئے۔ میں نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا۔ " اے جان کی دشمن تو بے دین ہو گئی ہے۔ یہ کہکر جو میرے ہاتھ میں آیا اس کے سر پر کھینچ مارا۔ اس کے سر میں خون بہنے لگا۔ اس پر سعید نے کہا۔

"جب تمہارے دین میں حق ہی نہ ہو۔ تو ایسا دین کس کام کا ہے۔" اس پر مجھے اور غصہ آیا اور میں نے سعید کے منہ پر طمانچہ کھینچ مارا۔ میری بہن نے ہم دونوں کو علیحدہ کرنا چاہا تو میں نے اپنی بہن کو زور سے دھکا دیا جس سے ان کے اور بھی چوٹ آئی اور منہ سے بھی خون بہنے لگا۔ اور اس کا دھڑ خون سے بھر گیا۔

فاطمہ نے نہایت غصہ سے کہا۔ " تمہارا دین ہی سچا

نہیں۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ سوائے ایک معبود کے کوئی
دوسرا خدا نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔"
اس پر میں نے کہ "اچھا وہ کتاب دو جو تم پڑھ رہے
تھے تاکہ میں اُسے پڑھوں۔"

مگر میری بہن نے جواب دیا۔ "کہ تم اسکے اہل نہیں
ہو۔ کیونکہ تم پاک نہیں اور اس کو پاک ہی ہاتھ میں لیتے
ہیں۔ اوّل تو غسل کیجئے یا کم از کم ہاتھ دھو لیجیئے۔"

"میں ہاتھ منہ دھوئے اور کتاب لے کر پڑھنی شروع
کی تو اسمیں شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔ میں
یہ اللہ کا نام دیکھ کر ہیبت سے کانپ گیا۔ اور کتاب میرے
ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ جب ذرا میرے اوسان بجا ہوئے تو
میں نے پھر اٹھا کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔ "سبّح للہ" تو
میں پھر کانپ گیا اور جب میں آیت امنوا باللہ و رسولہ
تک پڑھا۔ (یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔) تو بے اختیار
پکار اٹھا۔ "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ" یہ سنکر تمام آدمی
جو گھر میں موجود تھے میری طرف دوڑے اور زور سے تکبیر کہی۔
اور کہا تمہیں مبارک ہو۔ پیر کے دن رسول اللہ پہلے آپ
کے لئے دعا فرما چکے تھے۔

آنحضرتؐ اس وقت صفا پہاڑ کے دامن میں ایک

مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ لوگ مجھے وہاں لے گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا۔ کون ہے۔؟ میں نے عرض کیا عمر بن خطاب ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو جیسے ہی میں دروازے کے اندر داخل ہوا۔ دو آدمیوں نے میرے بازو پکڑ لیے اور آنحضرتؐ کے پاس لائے۔ انہوں نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو۔ پھر آپؐ نے میرا دامن پکڑا اور مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور فرمایا۔

"عمر مسلمان ہو جاؤ ۔۔ اے اللہ اسے ہدایت دے"

میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمانوں نے اس قدر زور سے تکبیر کہی کہ مکہ کی گلیوں میں آواز سنائی دی۔ لوگ ڈر گئے۔ اور کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ مجھ سے سر پھٹول کرے۔ مگر پھر بھی دھکا مکا ہوا۔ مگر مجھے کوئی چوٹ نہ آئی۔ میں اپنے ماموں ابو جہل بن ہشام کے پاس پہنچا۔ وہ قریش میں شریف اور بہت با اثر سمجھا جاتا تھا۔ میں نے جب دروازہ پر دستک دی پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا عمر ہوں اور تمہارا دین میں نے چھوڑ دیا ہے"
اس نے کہا۔ ایسا مت کرنا۔ اور پھر اندر سے دروازہ بند کر لیا اور میں باہر کھڑا رہ گیا۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔

"ان باتوں سے کیا فائدہ ۔۔"

پھر میں تمام عظماء قریش میں سے ہر ایک کے پاس باری باری

پہنچا۔ اور اس کو آواز دی۔ جب وہ باہر آیا تو اس سے بھی وہی گفتگو ہوئی اور ہر ایک نے جواب بھی وہی دیا۔ جو میرے ماموں ابو جہل نے دیا تھا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ میں نے کہا ان حرکتوں سے کیا فائدہ ہے۔ تم دوسرے مسلمانوں کو تو مارتے پیٹتے تھے مگر مجھ سے آنکھ بھی نہیں ملاتے۔ ایک شخص نے کہا۔ کیا تم اپنا اسلام ان باتوں سے ظاہر کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ اُس نے کہا فلاں حجر کے پاس کچھ آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس میں فلاں شخص پیٹ کا بہت ہلکا ہے۔ پیٹ میں بات میں کھپتی۔ اُس سے کہو وہ سب جگہ ظاہر کر دے گا۔ میں آیا۔ اور اُس سے اپنا اسلام ظاہر کیا۔ اس نے مجھ سے دوبارہ تصدیق کر لی تو اُس نے زور سے چلا کر کہا۔

"لوگو! عمر بن خطاب ہمارے دین سے بے دین ہو گیا ہے"

یہ سنتے ہی مشرکین ایک دم مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ مجھے مارتے تھے اور میں انھیں۔ میرے ماموں ابو جہل نے پوچھا کہ یہ شور و غل کیا ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ "عمر مسلمان ہو گیا ہے۔۔۔۔"

اِس لمبے بیان سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ امیر المومنین جس کے نام سے قیصر و کسریٰ کانپتے تھے۔ جن کے متعلق تمام مشرقی و مغربی مورخین نے یک زبان ہو کر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے اشاعتِ اسلام کے لئے بے بہا خدمت کی ہے جنکا

عزم اور رعب بے پایاں تھا۔ مگر آپ ایک باندی اور اپنی بہن سے مات کھا گئے اور آپ نے اسلام قبول کیا۔ یہ ہے وہ شاندار خدمت و حدیث جو مسلمہ نے بحیثیت بہن اور باندی کے انجام دی۔ اس شاندار کارنامے سے مسلمہ کی جرأت۔ عزم و استقلال بلند پایئگی آشکارا ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آنحضرتؐ کے طلوع اسلام سے ، اور آغاز کے بعد بہترین مشیر۔ مددگار بھی عورت تھی۔ ان میں سے ایک زوجہ رضؓ نفیس اور دوسری انّا۔ یہ ہے۔ وہ حدیث جسے مسلمہ کو بار بار اسلئے دوہرانا چاہیے تاکہ خواتین اسلام میں دوبارہ وہ جذبہ ہو جائے جو کہ طلوع اسلام کے وقت ظہور میں آیا۔ ہر مسلمہ پر جہاد فرض ہے اور جہاد کی اہلیت کے لیے اسلامی تاریخ و حدیث پر پوری طرح سے عبور کرنا لازمی ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہندوؤں کے رسوم کے بموجب ہم میں سے پیشہ ور محفل میلاد کے پڑھنے والے اور پڑھنے والیوں کی ضرورت نہ رہے گی۔

ہاں ایک اور امر قابل ذکر ہے۔ ابھی تک گو قانونی طور سے باندیاں رکھنی ممنوع ہیں مگر اس کا رواج خاصہ ہے ابن سعد نے اخلف بن قیس کے حوالے سے لکھا ہے کہ۔ ایک روز ہم حضرت عمرؓ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

کہ اتنے میں ایک جاریہ (لونڈی) گذری۔ لوگوں نے کہا یہ امیرالمومنین کی باندی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ یہ امیرالمومنین کی باندی نہیں ہے۔ اور کیسی باندی؟ جب کہ امیرالمومنین کے لئے خداوند تعالیٰ کے مال میں سے باندی رکھنا حلال ہی نہیں ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت عمرؓ کا نام فاروق کس نے رکھا؟ آپ نے فرمایا آنحضرت نے بخشدیا۔ کیونکہ اسلام ظاہر ہوگیا۔ اور حق و باطل میں فرق پیدا ہوگیا۔ اس طرح سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام سے اور بہت سی احادیث مرقوم ہیں جن کو مستند سمجھا جاتا ہے۔ مسلمہ نے تاریخی دنیا میں اپنے لیے مقام حاصل کرلیا تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس نیک کام میں کتنی خواتینِ اسلام پیش پیش ہیں۔

حضرت عمرؓ جب شہید ہوئے اور ابھی نیا خلیفہ نہیں چنا گیا تھا تو حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔

"جس وقت جنازہ تیار ہوگیا۔ تو ہم آپ کا جنازہ لے کر چلے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ کو سلام کیا اور کہا کہ دفن کی اجازت دیجیے۔ آپ نے اجازت دیدی اور ہم نے آپ کو ان کے دونوں دوستوں کے پاس سپرد خاک کردیا۔"

بہ بین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

باب ۵

مجاہدہ بدر کے میدان جنگ میں

بدر کی جنگ کی فتح کی اہمیت "فتح مبین" پکارے جانے سے ظاہر ہوتی ہے۔ دنیاوی لحاظ سے بھی یہ فتح بہت ہی معنی خیز تھی۔ مثلاً اس فتح سے قرآن مجید کی آیت سے ثبوت ملتا ہے۔ کہ اللہ تعالے تھوڑی نفری کے باعزم مجاہدوں کو کثیر تعداد مشرکین پر فتح عطا فرمائیگا۔

مثال کے طور پر مسلمانوں کی کل تعداد ۳۰۵ یا ۳۱۰ تھی۔ ان کے پاس صرف ۷۰ شتر اور دو گھوڑے تھے لہٰذا ہر اونٹ پر اکم ازکم چار افراد سوار تھے۔ بلکہ بعض پر پانچ بھی سوار تھے۔ خصوصاً اس لئے ہر پڑاؤ پر کم ازکم ایک اونٹ خوراک لئے ذبح کیا جاتا تھا مورخین نے یہ نہیں لکھا کہ اس تعداد میں کتنی مسلم عورتیں تھیں۔ مگر یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت عائشہ کے علاوہ اور عورتیں بھی تھیں۔ اس کے برعکس مشرکین کے لشکر کی تعداد بیان کرتے وقت مورخین

نے یہ بھی لکھ دیا ہے۔

"مشرکین کے تقریباً ایک ہزار لشکر کے ہمراہ ۱۳۰ سے زائد اونٹ سوار تھے۔ ۱۰۰ شاہسوار (رسالہ) تھے۔ بہت سی عورتیں تھیں جو ہر پڑاؤ پر دف بجا کر اور گا گا کر مشرکین کے بہادروں کے حوصلے بڑھاتی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ مکہ کی بہت سی مشہور گانے والیاں بھی تھیں جن میں مکہ کی مشہور گانے والیاں سارہ اور عزہ بھی تھیں۔ ہر روز ہر پڑاؤ پر ۹ یا ۱۰ اونٹ سپاہیوں کے لئے ذبح کئے جاتے تھے گانے بجانے والی مستورات کو مغربی بلاک کی افواج آج کل بھی اپنے ہمراہ لے جاتی ہیں۔ ہاں فرق یہ ہے کہ اس "دل خوش" کو فرنٹ سے چند میل دور رکھا جاتا ہے کہ سپاہیوں کے حوصلے بڑھائیں۔

اس کے مقابل اسلامی لشکر میں حفاظ اور قاری ہوتے تھے جو موقع کے مناسب آیات قرآنی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

معاشی اور ذہنی لحاظ سے بدر کی فتح مسلمانوں کے حق میں اس لئے فیصلہ کن تھی کیونکہ مشرکین مکہ کا خواب کہ وہ مدینہ کی منڈی پر قابض ہو جائینگے خواب بن کر رہ گیا تھا۔ ذہنی طور سے عوام کے [illegible] کی

وجہ بنانا بہت ہی گراں مسئلہ بن گیا۔ اور دفاعی سیاست کے لحاظ سے مشرکین مدینہ کے اہم دفاعی مرکز کو حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلام نے مسلمہ کا نظریہ کسقدر بدل دیا تھا۔ نہ تو رعنائی کی نمائش تھی اور نہ ہی اب وہ آرائش محفل گانے بجانے کی وجہ سے تھی۔ بلکہ اس کا کام زخمیوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری تھا۔ بوقت ضرورت وہ اپنے مردوں کے ساتھ شانہ بہ شانہ لڑتی تھیں۔ جہاں مشرکین کی عورتوں نے [illegible] نے والوں اور زخمیوں پر نوحہ خوانی شروع کردی یہاں [illegible] شتے از فروارے۔[1]

مورخ واقدی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ بدر کے عین لڑائی کے وقت بنو عدی بن النجار کے حارث بن سراقہ اُس حوض کے پاس بطور نگران تھے جسے آنحضرت[2] نے مجاہدین اسلام کے لئے بنوایا تھا۔ علاوہ ازیں اس حوض کا دوسرا مصرف یہ تھا کہ چشمے کا پانی دشمن کے پڑاؤ تک نہ پہنچے۔ اور ان کو پینے کا پانی نہ ملنے کی وجہ سے تشنگی سخت پریشان کرے۔ ناگاہ ایک تیر دشمن کی طرف سے بہت تیزی سے آیا اور وہ حارث کے سینے پر لگا۔ اور حارث بیہوش ہو کر چشمے میں گر گیا۔ اس کی وجہ سے تمام حو

کا پانی خون آلودہ ہو گیا۔

جب حارثؓ کے شہید ہونے کی خبر حارثؓ کی والدہ اور خواہر کو ملی تو اس کی ماں نے کہا۔ کہ ہم حارثؓ کے غم میں اس وقت تک روئیں گے جب تک ہم آنحضرتؐ سے یہ دریافت نہ کر لیں کہ حارث جنتی ہے یا دوزخی ہے اگر جنتی ہے تو اس کے لئے نہ روؤنگی اور اگر وہ دوزخی ہے تو ضرور روؤنگی اور قسم ہے خدا کی کہ پھر میں اس کے لئے چلاّ چلاّ کر روں گی بمعنی تعویل یعنی میں نے اس غم کو اپنے دل پر بار کر رکھا ہے"

آخر کار جب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو عرض کی " یا رسول اللہ حارثؓ کی موت کا صدمہ جو میرے دل پر ہے آپ خوب جانتے ہیں میں نے چاہا کہ اس کے غم میں آہ و بکا کروں لیکن پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ایسا نہ کروں گی۔ تاوقتیکہ رسول اللہ صلعم سے یہ بات پوچھ نہ لوں کہ اگر حارث جنت میں ہے تو اس پر آہ و بکا نہ کرونگی اور اگر وہ جہنم میں گیا تو اس کے ماتم میں گریہ وزاری شور و شیون کروں گی۔"

یہ سنکر حضرت نے فرمایا۔

" خدا نہ کرے کہ تو اپنے فرزند کے لئے روے"۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے البتہ حارث فردوس بریں میں ہے۔"

اس پر اور حارثؓ اور حارثؓ کی بہن نے کہا ۔ مدپھر میں اب کبھی اُس کے لئے بکا نہ کرونگی ۔ رسول اللہ نے ایک کاسہ پانی طلب کیا اُس میں اپنا ہاتھ ڈبویا اور پھر وہ کاسہ مادر خواہر حارث کو مرحمت کیا ۔ تب انھوں نے کچھ پانی پی لیا اور بقیہ اپنی دختر کو دیا اور اس نے بھی پیا ۔ بعد ازاں آنحضرتؐ نے حکم دیا ،، کہ کچھ پانی اپنے اپنے گریبان کے اندر چھڑک لو ۔ اُن دونوں نے یوں ہی کیا ۔،، اور آنحضرتؐ سے رخصت ہوکر اپنے گھر میں آ گئیں ۔،، چنانچہ مدینہ میں ان دونوں عورتوں سے زیادہ کوئی عورت خنک چشم و دل شادونہ تھیں ۔

اب ذرا مشرکین کے کیمپ میں چلئے ۔ واقدی نے لکھا ہے کہ ہبیرہ بن ابی وہب نے جب اپنی قوم کی شکست دیکھی تو اوندھے منہ گر پڑا اور بیہوش ہو گیا ۔ آخر کار ابو اسامہ الجشمی اس کا حلیف آیا ۔ اُس نے اس کی زرہ تن سے جدا کی اور اُسے اٹھا کر لے گیا ۔ ادھر ... میں کی عورتیں آہ و بکا کرتی کرتی مکہ پہنچیں اور وہاں بھی کئی ماہ گریہ و زاری رسم جاری رہی ۔

جہاں اسلامی کیمپ میں صبر و استقلال تھا وہاں پر مشرکین کے کیمپ میں انتشار اور کینہ کا دور دورہ تھا ۔ واقدی نے بواسطہ ابن ابی حبیبہ کے حضرت عائشہؓ نے لکھا ہے کہ روز بدر مہاجرین اور انصار کا شعار رسول خدا کا یا منصور اُمت تھا ۔

بہت سے لوگ آج کل حج پر جاتے ہیں وہ طیارہ سے جدہ پہنچتے ہیں اور طیارہ سے ہی جدہ سے مدینہ چلے جاتے ہیں۔ البتہ غریب یا متوسط طبقہ بسوں یا موٹروں سے سفر کرتا ہے اس لئے اُن کو عربستان کے سفر کا علم جو آج سے چودہ سو برس پہلے تھا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

مدینہ سے بدر کا سفر آج کل نصف گھنٹے میں طے ہو جاتا ہے۔ کوئی خطرہ نہیں۔ مگر اُن ایام میں خصوصاً ایام جنگ میں مستورات کا سفر کرنا ایک معمہ بن جاتا تھا۔ میلوں کا سفر جہاں نہ سایہ اور پینے کا پانی کہیں کہیں ملتا تھا۔ اور اس کے لئے بھی مالکان سے اجازت لینی پڑتی تھی اور عام طور پر دام دینے پڑتے تھے۔ آج کل بے شمار ترقی ہونے پر بھی پینے کے پانی کی ایک بوتل ایک ریال میں ملتی ہے۔ لیکن ذرا تصور کیجئے کہ ان مستورات نے نہایت شدید صعوبتوں، خطرات کے علاوہ نہایت بے آرامی سے کیا۔ ایک اونٹ پر کم از کم چار یا پانچ عورتیں تھیں۔ اسی اونٹ پر کھانا پکانے کے برتن۔ رسد۔ جانور کا چارہ اس کے علاوہ ہر وقت لیٹروں یا دشمنوں کے حملے کا خطرہ موجود تھا۔ جہاں پڑاؤ پر پہنچتے ہی مرد دشمن کے خلاف حفاظتی انتظام کرتے۔ عورتیں کھانا پکاتی اور جہاں کہیں پانی ملتا دوسرے دن بھر کے لئے پانی بھر کر لاتیں اور ان کاموں سے فارغ

ہو کر اونٹوں کو چرانے کے لئے لے جاتیں۔

طبری سے مرقوم ہے جب آنحضرتؐ عرق الظبیہ میں بدر کے مقام سے تشریف فرما ہوئے تو وہاں ابو ہندؓ فردة بن عمرو البیاضی چمڑے کی بوتل میں کھجور۔ دودھ اور مسکہ کی کھیر لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ یہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ مگر پھر وہ ان تمام غزوات میں جس میں خود رسولؐ اللہ نے شرکت فرمائی۔ شریک رہے۔ یہ رسول اللہ کے حجام تھے۔

غزوات میں ان کی خدمات سے خوش ہو کر آپ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ کہ ابو ہندؓ انصار میں ہیں تم ان کو اپنی بیٹیاں دو اور ان کی بیٹیاں لو۔ صحابہؓ نے اس ارشاد کی بجا آوری کی۔

بدر کے قیدیوں میں ابو العاص بن الربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بھی تھے۔ یہ بھی مکہ کے ان معدودے چند لوگوں میں تھے جو بڑے مالدار۔ دیانت دار اور معتبر تاجر تھے۔ یہ ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔ حضرت خدیجہ ان کی خالہ تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ سے کہا۔ کہ زینب کی شادی ابو العاص سے کر دیں۔ آنحضرتؐ پر ابھی تک وحی نبوت نازل نہیں ہوئی تھی۔ آپؐ نے اپنی صاحبزادی سے ان کی شادی کر دی۔ خدیجہ ان کو اپنے بیٹے کے برابر سمجھتی تھیں۔

جب اللہ عزوجل نے رسول اللہ کو نبوت عطا فرمائی تو

خدیجہؓ اور آپ کی تمام صاحبزادیاں آپ پر ایمان لے آئیں۔ انھوں نے آپ کی رسالت کے برحق ہونے شہادت دی مگر ابوالعاص مشرک رہے۔ جب قریش نے آنحضرتؐ سے ترک تعلق کیا اور دشمنی اختیار کی تو قریش اپنی تجویز کے مطابق ابوالعاص کے پاس گئے اور ان سے اپنی بیوی (زینب) کو طلاق دینے کو کہا۔ اور یہ وعدہ کیا کہ قریش کی جس عورت کو پسند کرو گے ہم اس سے تمہاری شادی کردیں گے۔ مگر ابوالعاص نے اپنی بیوی کو چھوڑنے اور دوسری عورت سے شادی کرنے سے انکار کردیا۔ مکہ میں چونکہ آنحضرتؐ کو پوری آزادی اور اقتدار نہ تھا۔ لہٰذا عملاً آنحضرتؐ زینب اور ان کے شوہر کے درمیان تفریق نہ کرا سکے۔

جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے کارروائی شروع کی تو زینبؓ نے اپنے شوہر کے فدیہ کے لئے کچھ مال بھیجا۔ اس میں وہ ہار بھی تھا جو خدیجہؓ نے زینب کو بطور جہیز دیا تھا۔ اس ہار کو دیکھکر آنحضرت بہت متاثر ہوئے اور آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ اگر مناسب سمجھو تو زینب کی خاطر اس کے اسیر شوہر کو رہا کردو۔ اور اس ہار کو اس کے حوالے کردو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوالعاص نے وعدہ کیا کہ وہ زینب کو آنحضرتؐ کے پاس مدینہ بھیجدیگا۔

جب زینب آنحضرتؐ کی صاحبزادی سفر کی تیاری میں مصروف تھیں تو ہند بنت عتبہ ان کے پاس یہ معلوم کرنے کے لئے آئی کہ زینب واقعی مدینہ جارہی ہیں یا نہیں۔ جب زینب مدینہ کے لئے روانہ ہوئیں۔ تو قریش کے ایک دستے نے زینب کو ذی طوی کے مقام پر آگھیرا۔ ابوسفیان اجلہ نے زینب کے دیور سے کہا۔ کہ قریش مکہ کو بدر کے مقام پر آنحضرتؐ کے ہاتھوں بہت نقصان ہوا ہے لہذا تم زینب کو مکہ واپس لے جاؤ۔ ہاں کچھ عرصے کے بعد جب لوگ اس ذلت و خواری کو بھول جائیں۔ تو تم زینب کو پھر مدینے لے جانا۔ کنانہ نے یہ بات مان لی اور جب چرچا کچھ کم ہوا تو کنانہ رات کے وقت زینب کو لے کر چل دیا اور ان کو زید بن حارثہ اور ان کے رفیق کے سپرد کر دیا۔ اور وہ زینب کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لے آئے۔

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ابوالعاص تجارت کے لئے شام گئے چونکہ اس کی دیانت مسلّم تھی اس لئے اس سفر میں علاوہ خود اس کے مال کے قریش کے اور لوگوں نے بھی تجارت کے لئے اپنا مال اس کے ساتھ کر دیا تھا۔ تجارت سے فارغ ہو کر جب وہ حجاز واپس آنے لگا تو مسلمانوں کی ایک مہماتی فوج نے اُسے گھیرا اور اس کا تمام مال لوٹ لیا۔ البتہ ابوالعاص خود بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب وہ مہم مال غنیمت لیکر مدینہ پہنچی تو ابوالعاص

ایک رات خفیہ طور سے مدینہ آتے۔ اور حضرت زینب کے پاس آکر اُن سے پناہ کی درخواست کی۔ انھوں نے پناہ دی اور وعدہ کیا وہ ان کے مال کو واپس دلا دیں گی۔

"صبح کو جب آنحضرتؐ نماز کے لئے برآمد ہوئے اور آپ نے تکبیر کہی تو آپؐ کے ساتھ صحابہؓ نے بھی تکبیر کہی۔ زینب نے عورتوں کی صف سے چلّا کر کہا! اے صاحبو! میں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے۔"

نماز کا سلام پھیر کر رسول اللہ صلعم نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "صاحبو! کیا تم نے وہ سنا جو میں نے سنا ہے۔ انھوں نے جواب دیا۔ جی ہاں آپؐ نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں جان ہے۔ اس وقت سے پہلے مجھے اس واقعہ کا قطعی علم نہ تھا۔ کہ ان کے ایک ادنیٰ فرد نے تمام مسلمانوں کی طرف سے پناہ دی ہے۔"

آپ نماز سے فارغ ہو کر اپنی صاحبزادی کے پاس آئے اور فرمایا۔ اے میری بچی تم اُس کی اچھی طرح مہمان داری کرو مگر اپنے پاس نہ آنے دینا کیونکہ اب تم اس کے لئے حلال نہیں ہو۔!"

اس کے بعد اُس مہم کے شرکا۔ کو جن نے ابوالعاص کا مال اپنے قبضہ میں کیا تھا بلا بھیجا اور فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ شخص

ہم میں سے ہے۔ تم نے اس کا مال لوٹ لیا ہے۔ اگر احسان کرنا چاہو تو اس کا مال اُسے دے دو اور یہ بات ہمیں بھی پسند ہے اور اگر نہیں دینا چاہتے تو کوئی جبر نہیں۔ وہ اللہ نے تمکو دیا ہے تم ہی اس کے اصلی حقدار ہو۔" یہ سنکر ان لوگوں نے کہا کہ

"اے رسول اللہ ہم ان کا مال بخوشی واپس کرتے ہیں۔"

انھوں نے ان کا تمام مال واپس کر دیا۔ معمولی سے معمولی چیز جیسے مشکیزہ۔ برتن یہاں تک کہ پالان کی لکڑی بھی لادی۔ اس طرح سے ان کا تمام مال اسے مل گیا وہ اسے مکہ لے آیا۔ اور قریش میں سے جس نے اُسے مال تجارت کے لئے دیا تھا وہ ایک ایک حبّہ اس نے واپس دیدیا۔ اس کے بعد اس نے پوچھا۔

اے جماعت قریش تم میں سے اب کوئی شخص ایسا رہ گیا ہے جس کا مال میرے پاس ہو۔ اور وہ اسے ابتک وصول نہ ہوا ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ سب کو اس کا مال پہنچ گیا ہے۔ (طبری)

ابوالعاص نے بھرے مجمع میں پکار کر کہا کہ میں اسلام لے آیا ہوں۔ میں آنحضرتؐ کے پاس تھا اسی وقت ایمان لے آتا۔ مگر میں ڈرا کہ تم لوگ یہ بدگمانی کرو گے کہ اس طرح میں نے تمہارے مال کھانے کی ترکیب کی۔ جب اللہ نے اُسے

تم کو پہنچا دیا اور میں بارِ امانت سے فارغ ہوا۔ اسلام لے آیا۔ اور مکہ سے چل کر رسول اللہ کی خدمت میں آ گئے اور ان کو زینب کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔

یہ ہیں وہ احادیث اور روایات جن پر خواتین اسلام کو فخر کرنا بجا ہے۔ اور ان کو مشعلِ راہ بنانا فرضِ اولین ہیں۔ کیا ہم ان کی یاد تازہ کرتے ہیں ؟۔ اپنے دلوں کو ٹٹولنے کی بات ہے۔ کیا آج کل مسلمہ ان خطرات مصیبتوں اور تکالیف کا ہنسی خوشی سے مقابلہ کرنے کو تیار ہیں ؟ یہ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔

باب ٦

مجاہدہ اور اُحد کا میدان جنگ

جس وقت قریش مکہ کو بدر کے مقام پر شکست کی اطلاع ملی تو ان کے رنج وغم اور غصہ کی انتہا نہ رہی۔ وہ فوراً انتقام لینے پر آمادہ ہوئے۔ بدر کا واقعہ اسلامی فتوح کی بسم اللہ تھا۔ قریشیوں نے بدر کی شکست کے بعد دوبارہ سنبھل کر دوسرے سال پھر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس مرتبہ ان کا سردار ابوسفیان تھا۔ اور جنگ آور مشرکین کی تعداد دس ہزار تھی۔ جن میں سات سو زرہ پوش اور دوسو سوار تھے۔ رسالے کے سالار خالد بن ولید تھے جو اسلام لانے پر دنیا کے بہترین سالاروں میں شمار ہوئے۔ ان کے ساتھ بہت سی عورتیں بھی تھیں جو دف بجا بجا کر بدر کے مقتولوں کا نوحہ کرتیں اور لوگوں کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جوش دلاتی ساتھ کوچ کرتی چلتی تھیں۔ ان میں پندرہ عورتیں

قریش کے سرداروں کی بیویاں تھیں ۔ مثلاً حضد بنت عتبہ بن ربعیہ ، اُم الحکیم بنت الحارث بن ہشام ۔

اسلامی فوج تقریباً ایک ہزار تھی جن میں بہت سے نومسلم اور غیر مسلم حلیف تھے ۔ آخر کار جب آنحضرتؐ نے بعد نماز جمعہ اعلان کیا کہ دشمن کا مقابلہ اُحد کے پہاڑ کے قریب یعنی مدینہ سے کچھ فاصلے پر ہوگا تو عبداللہ بن ابی سلول جو بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے سردار تھے اپنے ۳۰۰ ساتھیوں کے ساتھ شیخین سے مدینہ واپس لوٹ گئے ۔ لہٰذا آنحضرتؐ کے ہمراہ صرف سات سو مجاہدین رہ گئے ۔ آنحضرتؐ ایک دشوار گذار اور نامعلوم راستہ اختیار کر کے اُحد کے پہاڑ پر پہنچ گئے ۔ اور قریشِ مکہ کو اس وقت آنحضرتؐ کے آنے کی خبر ملی جب آپ نے اپنا مورچہ سنبھال لیا تھا ۔

براءؓ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ جنگ اُحد میں جب رسول اللہ کا مشرکین سے مقابلہ ہوا تو آپ نے عبداللہ بن جبیر کی امارت میں چند آدمیوں اور قادر اندازوں کو ایک اہم مورچہ پر بٹھا دیا تھا اور فرمایا کہ تم اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا ۔ اگرچہ تم ہم کو دشمن پر کامیاب ہوتا ہوا دیکھو ۔ یا ان کو ہم پر غلبا پاتا ہوا دیکھو ۔ تب بھی ہماری مدد کے لئے نہ آنا ۔ اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنا ۔ مگر جب مقابلہ ہوا اور مشرکین بھاگے اور یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے فرار

کے لئے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹایا اور ان کے پازیب دکھائی دینے لگے تو ان لوگوں نے شور مچایا۔ غنیمت! غنیمت!

عبداللہ بن جبیر نے ان کو ڈانٹا مگر وہ حرص سے اندھے ہو گئے تھے لہذا اپنی جگہ چھوڑ گئے۔ خالد بن ولید نے اس زبردست غلطی کا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر زبردست حملہ بول دیا۔ مسلمانوں کا سخت جانی نقصان ہوا۔ ۷۰ مجاہدین شہید ہوئے۔ خود آنحضرتؐ بری طرح زخمی ہوئے۔ مگر آپؐ نے بڑی قابلیت سے بگڑتے حالات پر جلد قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کو شکست کھانے سے بچا لیا۔ گو مشرکین نے مشہور کر دیا تھا کہ نعوذ باللہ رسول اللہ شہید ہو گئے ہیں لہذا چند مسلمانوں نے کہا کہ اپنے گھروں کو واپس چلو۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل کیں۔

"اور نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسول ان میں سے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ اگر وہ مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پلٹ جائیگا وہ ہرگز اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچائیگا اور بہت جلد اللہ فرمانبرداروں کو جزاء خیر دے گا۔"

باقی مسلمان ثابت قدم رہے۔ ہمارے خیال میں جنگ اُحد کے متعلق یہاں پر اس قدر بیان کرنا کافی ہو گا۔ کیونکہ ہمارا

مقصد خواتینِ اسلام اور مستورات مشرکین کے نظریے کا توازن کرنا ہے۔ اگرچہ خون اور نسل میں دونوں جماعتیں یکساں تھیں مگر ان کے نظریے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ مثلاً مشرکین کے امیروں نے اپنے گھرانے کی ان معزز بیویوں کو دوسری عورتوں کی ہمت بڑھانے کے لئے ساتھ لیا تھا۔ ابوسفیان بن حرب امیر جماعت نے ھند بنت عتبہ بن ربیعہ کو۔ عکرمہ بن ابی جہل بن ہشام بن المغیر کو۔ صفوان بن امیہ بن خلف نے برزہ کو۔ یا برہ بنت مسعود بن عمرو بن عمیر الثقیفہ۔ عبداللہ بن صفوان نے اپنی ماں کو عمر بن العاص بن وائل نے ریطہ بنت منبہ بن الحجاج کو۔ طلحہ بن ابی طلحہ نے سلافہ بنت سعد بن شھیہ کو۔ فناس بنت مالک بن المضرب اپنے بیٹے ابی عزیز بن عمیر کے ساتھ اور عمرہ بنت علقمہ بن الحارث بن عبد المناۃ بھی لڑائی میں گئیں تھیں وغیرہ۔

زبیر سے مروی ہے کہ جب یہ عورتیں دامنِ کوہ میں بیٹھی یہ یہ شعر گا رہی تھیں۔

ترجمہ:۔ "ہم خاندانی بیبیاں ہیں۔ آگے بڑھو گے گلے
ملینگے اور فرش بچھائیں گے۔ اگر منہ موڑو گے
الگ ہو جائیں گے اور اس کی ہمیں کچھ پروا نہ ہو گی"۔
اے بنی عبد الدار! اے پشت بچانے والو۔
شمشیر براں سے مارو"۔

عین اس وقت ابو جانہ سماک بن خرستہ نے حمزہؓ بن المطلب اور علیؓ بن ابی طالب اور کچھ اور مسلمانوں نے مل کر جب مشرکین پر حملہ کیا اور اُن کو مارتے ہوئے آگے بڑھے اور اِن عورتوں پر تلوار چلانے ہی والے تھے کہ اُن کو آنحضرتؐ کے احکام کہ عورتوں پر حملہ نہ کیا جائے لہذا انھوں نے ھندہ ان کی ساتھیوں اور دوسری کنیزوں کو بھاگ جان بچانے کی مہلت دیدی۔ بقول ابو جانہ" اِن عورتوں کو پکڑ لینے میں کوئی شے مانع نہ تھی۔ مگر ہم نے آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہم نے دیکھا کہ ہمارے تیر اندازوں نے لوٹ مار کی غرض سے دشمن کے فرودگاہ کو چلے گئے اور انہوں نے دشمن کے رسالے کے لئے ہمارے عقب کو غیر محفوظ چھوڑ دیا۔ اور دشمن نے ہمیں عقب سے آلیا۔ اس مصیبت کی وجہ سے مسلمانوں کے تین حصّے ہو گئے تھے۔ ایک حصّہ مارا گیا۔ دوسرا حصّہ زخمی ہوا اور تیسرا حصّہ نہایت جوانمردی سے لڑتا ہوا پہاڑ کے درّے کی طرف جہاں آنحضرتؐ تھے پیچھے ہٹ گیا۔

واقدی رحمتہ علیہ سے مروی ہے کہ جب مشرکین کے شہسواروں کے حملے کی وجہ سے مسلمانوں میں انتشار پھیلا تو حضرت صلعم نے مسلم خواتین کو پہاڑ کے اوپر چڑھنے کا حکم دیا۔ صفیہ بنت عبدالمطلب کہتی تھیں کہ جب ہم ٹیلوں پر چڑھ گئے تھے کہ ناگاہ چند نفر مشرکین نظر

آئے اور اس ٹیلے پر تیر چلانے لگے اور اُن میں سے ایک مشرک بالائے حصار پر چڑھا آتا تھا تب میں نے تلوار کی ہتھی اپنے ہاتھ میں مضبوط باندھ لی اور ایک چٹان کی آڑ میں گھات لگائی جیسے ہی وہ تنومند مشرک میرے پاس سے گذرا میں نے اچانک اُس کی گردن پر ایسی تلوار ماری کہ اس کا سرتن سے جدا ہوگیا اور اس کے سر کو میں نے اس کے ساتھیوں کی طرف پہاڑ کے نیچے پھینک دیا۔ جب انہوں نے اس کے سر کو دیکھا تو وہ پسپا ہوگئے۔ اور میں فارغ ہوکر بالائے حصن سے دیکھ رہی تھی تو میں نے نیزوں کا وار دیکھکر کہا کہ کیا یہ نیزے ویسے نہیں ہیں جو اُن مشرکین کے پاس تھے۔ اور ویسے نیزے میرے بھائی حمزہؓ پر چل رہے تھے۔ میں وہاں سے نکل کر دوسری خواتین کے ساتھ جن میں ام ایمن بھی تھی حضرت صلعم کے پاس پہنچیں۔ اس وقت اصحاب حضرت صلعم کے مجتمع تھے۔ حضرت علیؓ نے مجھ سے کہا اے پھوپھی تم یہاں سے پھر جاؤ۔ میں نے پوچھا رسول خدا صلعم کا کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا بحمد اللہ خیر ہے۔

ہندہ بنت عتبہ صالح بن نے جنگ کے حالات یوں بیان کئے ہیں۔ کہ جنگ میں دونوں فوجوں کے علیحدہ ہونے پر یعنی مسلمان درّے کے قریب مورچہ پر بند تھے۔ اور میدانِ کارزار

میں زخمی اور قتل کی ہوئی لاشیں تھیں۔ اس وقت ہند بنت
عتبہ اپنی ساتھیوں کے ساتھ شہید صحابہؓ کے اعضائے جسم کو قطع و
برید کرنے نکلی۔ انھوں نے مقتولین صحابہؓ کے کان ناک کاٹے
یہاں تک کہ ہند نے ان کے کٹے ہوئے ناک اور کانوں کے بازو
بند اور ہنسلی بنائی اور خود اپنا بازو بند و ہنسلی اور کان کی بالیاں
اس نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کو دے ڈالیں۔ اس نے حمزہؓ
کا کلیجہ چیر کر نکالا اور ہندہ کو دیا جس نے اسے چبا ڈالا اور پھر اگل
دیا۔ اور پھر وہ رجز پڑھنے لگی۔ اور اس کی کنیزوں نے اس کا ساتھ
دیا۔ لیکن جب مکہ میں دوبارہ مشرکین کے نقصان کی خبر پھیلی تو ہر جگہ
آہ و بکا کا کہرام مچ گیا۔ مشرک عورتیں کی زندگی بہت ہی افسوس
ناک تھی۔ کیونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ اب اُن کے لواحقین کے ہاتھوں
مثل بھیڑ بکریوں کے اُن کو فروخت کرینگے۔ یا ان کے نئے والی کس
قسم کا برتاؤ کرینگے۔ یہ یاد رہے کہ اُس زمانہ میں باپ کی بیویاں
لڑکے کو اس کے ترکہ میں ملتی تھیں۔ اور سوائے اپنی ماں کے وہ
لڑکا اپنی سوتیلی ماؤں کو اپنی بیویاں بنالے یا اُن کو فروخت کر کے
روپیہ کمالے۔ شاذ و نادر کوئی عورت اس اندوہناک سلوک سے
بچ جاتی تھی۔

صفیہ بنت عبد المطلب

طبری اور واقدی سے مروی ہے کہ جب

صفیہ بنت عبد المطلب اپنے حقیقی بھائی حمزہؓ شہید کو دیکھنے آئیں۔ آنحضرتؐ نے ان کے بیٹے زبیر بن العوّام سے کہا تم صفیہ کے پاس جاؤ اور اُن کو لوٹا دو تاکہ جو کچھ ان کے بھائی کے ساتھ ہوا ہے وہ اسے دیکھنے نہ پائیں۔ زبیر اُن کے پاس گئے اور کہا اماں جان! رسول اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ واپس لوٹ جائیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے بھائی کے اعضا کو قطع کیا گیا ہے اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے محض اس وجہ سے اگر مجھے ممانعت کی گئی ہے تو اس سے خوش نہیں ہوئی۔ انشاء اللہ تعالےٰ میں صبر و ضبط سے کام لوں گی۔ زبیر نے رسول اللہ صلعم سے آکر ان کا قول بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا ان کو جانے دو۔ وہ حمزہؓ شہید کے پاس آئیں۔ اُن کو خوب دیکھا۔ اُن پر رحمت بھیجی۔ ان کے لئے طلب مغفرت کی۔ (ابن اسحٰق)

طبری اور ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے حمزہؓ کو اس حال میں مقتول دیکھا تو آپ کو بے حد رنج اور غصّہ آیا وہ اس غضب کی حالت میں تھے کہ وحی نازل ہوئی۔

ترجمہ:۔ "اگر تم عذاب دو جیسا تم کو عذاب دیا گیا ہے (تو کرو) اور البتہ اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے"۔

اس وحی کی بنا پر رسول اللہ نے مشرکین کو معاف کر دیا۔

خود صبر کر لیا اور مشرکین کے کسی مقتول کے جسم کی قطع برید کرنے کی ممانعت کر دی۔

حمنہ بنت جحش

ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن جحش کی اولاد میں سے بعض کا یہ دعویٰ ہے کہ عبداللہؓ بن جحش کے ساتھ بھی مشرکین نے وہی سلوک کیا جو حمزہؓ کے ساتھ کیا تھا۔ البتہ ان کا کلیجہ نہیں نکالا۔ یہ امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور حمزہؓ ان کے ماموں تھے۔ آنحضرتؐ جب اُحد سے مدینہ واپس آئے تو حمنہ بنت جحش آپ کے پاس آئیں۔ ان سے کہا گیا کہ تمہارے بھائی عبداللہ بن جحش شہید ہو گئے۔ انہوں نے اناللہ وانا الیہ راجعون کہا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اس کے بعد اُن کے ماموں حمزہؓ بن عبدالمطلب کے شہید ہونے کی اطلاع دی گئی۔ اس پر بھی انہوں نے اناللہ وانا الیہ راجعون کہا اور دعائے مغفرت کی۔ اس کے بعد اُن کے خاوند مصعب بن عمیر کے شہید ہونے کی خبر دی گئی۔ یہ سنتے ہی وہ چیخ اٹھیں۔ اور رونے لگیں۔ رسول اللہ نے اُن کو صبر کی تلقین کی اور پھر فرمایا۔

"عورت کے قلب میں شوہر کے لئے خاص جگہ ہوتی ہے"

انہوں نے اپنے بھائی اور ماموں پر ضبط کیا مگر شوہر کی موت پر چیخ اٹھیں۔ آپؐ نے حمنہ کے لئے صبر دعا فرمائی۔

بنی دینار کی ایک مجاہدہ طبری اور محمد بن سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ مع چند صحابہؓ کے بنی دینار کی ایک عورت کے پاس آئے۔ جس کا شوہر، بھائی اور باپ آنحضرتؐ کے ہمراہ جنگِ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ جب اس کو ان کی شہادت کی اطلاع دی گئی تو اُس نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ رسولؐ اللہ کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا اے ام (فلاں) وہ بالکل اچھے اور خیریت سے ہیں۔ اس نے کہا مجھے بتاؤ تاکہ میں بچشم خود ان کو دیکھ لوں۔ لوگوں نے اشارے سے آپؐ کو بتایا۔ اس نے آپؐ کو دیکھکر کہا۔

"آپ کی موجودگی میں ہر مصیبت بے حقیقت ہے"

ابو جعفر کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ خود اپنے گھر اُحد سے مدینہ تشریف لائے۔ آپؐ نے اپنی تلوار اپنی صاحبزادی فاطمہؓ کو دی اور فرمایا۔

"بیٹی اس پر خون ہے اسے دھو ڈالو۔"

علیؓ نے بھی اپنی تلوار فاطمہؓ کو دی اور فرمایا۔

اُس کا خون دھو ڈالو۔ آج اس نے مجھے خوب کام دیا ہے"

سات بہنیں اور ایک بھائی عکرمہ کے بیان کو طبری نے لکھا ہے نصف شوال سنیچر کے دن اُحد کی لڑائی ہوئی۔ دوسرے دن ۱۶ شوال کو رسولؐ اللہ کے موذن نے بذریعہ اعلان تمام لوگوں کو دشمن کے

تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ نیز یہ کہا مگر کوئی ایسا شخص جو کل ہمارے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوا ہو وہ آج بھی ساتھ نہ ہو۔ جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام نے رسول اللہ سے اس بارے میں گفتگو کی اور عرض کیا کہ میری سات بہنیں ہیں۔ میرے باپ نے مجھے ان کے پاس چھوڑ دیا تھا اور کہا تھا کہ اے بیٹے! میرے اور تمہارے دونوں کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ہم ان سب عورتوں کو بلا حفاظت چھوڑ دیں کیونکہ یہاں اُن کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے۔ اور میں تم کو اپنے مقابلے میں رسول اللہ کے ساتھ جہاد میں شرکت کے لئے ترجیح نہیں دے سکتا۔ لہٰذا تم بہنوں کے پاس رہو۔ اس لئے مجھے مجبوراً اُن کے پاس ٹھیرنا پڑا۔

یہ وجہ سنکر آنحضرتؐ نے جابر بن عبداللہ کو ساتھ چلنے کی اجازت دیدی۔ رسول اللہ اُس وقت دشمن کے تعاقب میں اُسے مرعوب کرنے کے لئے برآمد ہوئے تھے۔ آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان اُس کے تعاقب میں آ رہے ہیں اور ان میں اس کی قوت موجود ہے اور جو نقصان جنگ میں ہم کو ہوا ہے اس نے ہم کو دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے سے کم حوصلہ اور پست ہمت نہیں کیا۔

ابو جعفر نے اس زمرے میں کہا ہے کہ آنحضرتؐ تیسرے دن حمرا الاسد میں یعنی دو دن وہاں قیام کر کے مدینہ واپس آ گئے۔

ابن اُمِّ کلثوم طبری۔ ابو جعفر اور واقدی نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرتؐ دشمن کے تعاقب میں تشریف لے گئے تو آپؐ نے ابن اُمّ مکتوم کو مدینہ میں اپنا نائب یعنی خلیفہ مقرر کیا تھا واقدی سے مروی ہے کہ سب سے پہلے جو شخص مدینہ میں یہ خبر لے کر پہنچا کہ نعوذ باللہ حضرت صلعم شہید ہوئے وہ سعد بن عثمان ابو عبادہ تھے۔ پھر اس کے بعد بہت سے اور لوگ آئے۔ ابن امّ مکتوم جن کو رسول خدا صلعم مدینہ میں خلیفہ مقرر کر گئے تھے انہوں نے ان لوگوں سے جو اُحد کے میدان جنگ کو چھوڑ آئے تھے رفق و نرمی سے سمجھا کر دوبارہ اُحد بھیج دیا اور ان کے ساتھ مدینہ کو بہت سی عورتیں جہاد کے لئے اپنے ترکش اور کمان اور پانی سے بھرے مشک لے گئیں۔ اس جماعت کی قیادت ابن اُمّ مکتوم نے خود کی۔ جب اُمّ مکتوم کو حضرت صلعم کی خیریت معلوم ہو گئی تو وہ فوراً مدینہ لوٹ آئیں۔ اثنائے راہ میں معاویہ بن المغیرہ بن ابی عاص اور ابو غزۃ الجمحی آپؐ کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ یہ پہلی بار تھی کہ ایسے اہم اور خطرناک موقع پر یعنی جبکہ دشمن کا مدینہ پر جوابی حملے کا ڈر تھا آپ نے مدینہ کا نظم اور حفاظت یعنی امارت ایک مُسلمہ کے سپُرد فرمائی۔ لہذا آپ نے مجاہدہ کے لئے ایک اور نیا مقام قائم کیا۔ اب مسلمہ چاہے کسی قبیلے کی نسب کی کیوں نہ ہو اس قابل سمجھی گئی کہ وہ امیر بن سکتی ہے بالفاظ

دیگر حضرت رسول اللہ کی نائب (وائسرائے جو کہ کمانڈر انچیف بھی ہوتا ہے اور گورنر جنرل بھی) کیا مغربی دنیا ایک بھی مثال بتا سکتی ہے۔ کہ شاہی نسل کی خواتین کے سوا عوام میں سے کسی عورت کو قابلیت کی بنا پر وائسرائے کا عہدہ ملا ہو۔

واقدی رحمتہ علیہ سے مروی ہے کہ جب رسول خدا صلعم اپنے اصحاب کے دفن کرنے سے فارغ ہوئے تو اپنا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہوئے اور مسلمین حضرت صلعم کے گرد چلے اور ان میں سے اکثر زخمی تھے اور کوئی مثل بنی سلمہ و بنی عبد الاسمل کے زخمی نہ تھا اور حضرت علیہ السلام کے ہمراہ چودہ عورتیں بھی تھیں جب نیچے مقام حرہ کے پہنچے تو لوگوں سے فرمایا کہ صف بستہ ہو جاؤ ہم یہاں حمد و ثنا کرینگے تب لوگوں نے دو صفیں کر لیں کہ پیچھے اُن کے عورتیں تھیں بعد ازاں حضرت صلعم نے دعا فرمائی۔

عرب کی اُس زمانہ کی دنیا کے لئے تو معمہ تھا۔ کہ ناقص العقل عورت ایسے اہم عہدے کے قابل بن سکتی ہے۔ اس کی نقل ایران اور روما نے نہایت حسین عورتوں کو زر سے مالامال کر کے عورتوں اور مردوں سے نبوت کا باطل دعوے کرا دیتے۔ مگر یہ ملمّع تھا جو کسوٹی پر رگڑنے سے فوراً اتر گیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کے بعد عرب وہ عرب ہی نہ رہے تھے جو قبل از اسلام تھے۔ کایا پلٹ گئی تھی۔ اسلام کے بعد وہ ایک

قوم اور ایک دل ہو گئے تھے۔ اسلامی شوکت وجلال کا جلوہ اُن کے تمام کاروبار میں نظر آنے لگا۔ اس جلوے نے اُن کے بدترین دشمنوں کے دل موم کر دیئے۔ حتیٰ کہ ابوسفیان کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ کہنے لگا۔

"یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں...
لاریب آپ جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں
صاحبِ کرم ہیں"۔

انسان ابتدا سے جنگ لڑتا چلا آرہا ہے اور باہمی اختلاف کے تصفیہ کے لئے اسے بالآخر تلوار اٹھانی پڑتی ہے۔ اس فطرت انسانی کے مطابق حکومتیں بھی اپنے اپنے حقوق ومفاد کے تحفظ کے لئے لڑتی ہیں۔ یا یوں کہیئے انسان فطرتاً جنگ کا عادی ہے ابتدائے آفرینش سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ آنحضرتؐ نے اس فطرت انسانی کو تبدیل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اس کا اندازہ جنگ اُحد کے دو مقابل لشکر دلوں اور ان کی مستورات کی ذہنیت سے لگایا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں فریق ایک ہی نسل کے تھے۔ ایک ہی قوم تھی۔ ایک ہی خون تھا۔ مگر مشرکین قریش مکہ کا اور ان کی مستورات کا نظریہ ان کے گانے اور شعروں سے عیاں ہے۔ دوسری طرف مجاہدینِ اسلام جو اِن کے بھائی بہن تھے مگر آپ نے اِن حیوان نما انسانوں کو پہلے انسان بنایا۔

پھر انسان سے با اخلاق انسان بنایا اور با اخلاق انسان سے باخدا انسان یعنی مجاہد اور مجاہدہ بنایا۔

شہیدانِ اسلام کے انفرادی واقعات شہادت اور ایثار کو چھوڑ کر یہاں مسلم خواتین کے جذبۂ ایثار اور صبر و تحمل نے ایسی حدیث قائم کردی جو کہ تا ابد خواتین اسلام کے لئے مشعل راہ رہے گی۔ مشتے از خروارے۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے ضبط و نظم کو لیجئے۔ یا حمنہ بنت حجش جن کے ماموں بھائی اور خاوند شہید ہوئے تھے۔ ان کے صبر و تحمل کو لیجئے۔ یا پھر بنی دینار کی اس انصار جو انصار خواتین میں سے ایک تھیں جن کا باپ شوہر اور بھائی شہید ہو چکے تھے مگر انہوں نے آتے ہی پوچھنا شروع کیا کہ رسول اللہؐ کا کیا حال ہے۔ ان سے کہا گیا تمہارا باپ شہید ہو گیا۔ انہوں نے کہا کوئی بات نہیں۔ مگر رسول اللہؐ کا کیا حال ہے۔ کسی نے کہا تمہارا شوہر شہید ہو گیا۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی زیادہ فکر نہیں۔ یہ بتاؤ کہ رسول اللہؐ کیسے ہیں۔ انہیں بتایا گیا کہ تمہارا بھائی بھی شہید ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی راہ میں یہ بھی بڑی بات نہیں۔ اس پر جب انہیں بتایا گیا کہ آنحضرتؐ حفظ و امان میں ہیں۔ یہ سُن کر انہوں نے کہا کہ جب آپؐ موجود ہیں تو سارے غم ہیچ ہیں۔

یہ ہیں وہ واقعات جنہیں خواتینِ اسلام کو اپنی محفلوں

میں خصوصاً محفل میلاد میں بار بار دوہرانا چاہیئے تاکہ ہماری آئندہ نسلیں پستی کی طرف جانے کی بجائے بلندی کی طرف ثابت قدمی سے آگے بڑھیں۔ اور ہماری خواتین میں جذبۂ جہاد۔ اسلام کی محبت اور قربانی کا شوق پیدا ہو۔

وہ قربانی جس کے لئے ہر مسلمان عورت کو تیار رہنا چاہیئے۔

باب ۷

جنگِ خندق اور بنو نضیر اور قریظہ میں مجاہدہ

جنگِ خندق کی وجہ یہ ہوئی کہ جب عرب کے قبائل نے قریش مکہ خصوصاً اُحد کے پروپیگنڈے کا شکار بن کر ان کے ساتھی بن گئے۔ اُن میں قریش غطفان تو نمایاں طور سے تھے مگر تمام عرب کے قبیلے اور یہودیوں کے بنو نضیر اور بنو قریظہ بھی ان میں مل گئے۔ یہودیوں کا گلہ یہ تھا کہ مسلمانوں نے ان کو ان کے وطنوں سے نکال باہر کر دیا تھا۔ سترہ اٹھارہ ہزار مشرکین کے عظیم الشان اتحادی لشکر نے مدینہ پر حملہ کیا۔ اس فوج میں چار شہسوار اور ایک ہزار شتر سوار رسالہ تھا۔ چونکہ یہ اتحادی لشکر مختلف گھرانوں اور گروہوں (قبیلوں) سے مرتب تھا اس لئے اس اتحاد کا نام احزاب سے مشہور ہے۔

اس قدر کثیر غنیم کے مقابلے میں مسلمانوں کا شمار تین

ہزار سے زائد نہ تھا۔ شہسواروں اور شتر سواروں کی اکثریت
کی وجہ سے آنحضرتؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اس بار جنگ مدینہ میں
رہ کر مدافعانہ جنگ کے اصولوں سے لڑی جائے جو عربی فنونِ
جنگ میں اپنی نوعیت کی پہلی مثال ہو۔

مسلمانوں کو جنگِ اُحد میں سبق مل چکا تھا کہ رسالہ کی
اکثریت والے دشمن کا کس طرح سے مقابلہ کیا جاوے۔ ان دنوں
صحابہؓ کے گروہ میں ایک شخص فارس کے رہنے والے سلیمانؓ نامی
موجود تھے۔ ان کو کسی قدر فنون جنگ سے آگاہی تھی انہوں نے
مدینہ کے گرد ایسی خندق کھودنے کا مشورہ دیا جسے رسالہ والے
عبور نہ کر سکیں اور جس کی وجہ سے دشمن کے پیادہ سپاہیوں
کے لئے یکجہتی سے حملہ کرنا ناممکن ہو جائے خصوصاً اس لئے کہ عرب
اس قسم کے اصولِ جنگ سے بالکل ناآشنا تھے۔ عرب والے پیشتر
سے اس طریقہ جنگ کو جانتے نہ تھے لہذا مسلم اور مشرکین یعنی
دونوں کو ایک نئے کام میں تحیر و تردد ہوا۔ مگر حضرت سلیمانؓ کے
سمجھانے سے مسلمانوں کی تشفی ہو گئی اور انہوں دن رات
محنت کر کے ایک عمدہ خندق شہر مدینہ کے گرد تیار کر لی۔ البتہ
مشرکین یہ سمجھنے لگے کہ مسلمان ہمت ہارنے کی وجہ سے اپنی
اپنی قبریں کھود رہے ہیں۔

احزاب نے مدینہ کے چاروں طرف اترے اور محاصرہ کئے ہوئے

تھے مگر شہر پر حملہ کرنے سے خندق ان کو روکتی تھی۔

بعض منچلوں نے مع گھوڑے کے خندق کو دبانا چاہا مگر ان میں سے زیادہ تعداد خندق میں گر پڑے اور ان کی گردنیں چور چور ہو گئیں اور وہ چند شہسوار جو خندق پار کر کے مورچہ کے اندر گئے ان کو مجاہدوں نے قتل کر دیا۔ اس صورت نے اور خاص کر لمبے عرصہ کے محاصرہ کے باعث کھانے پینے کی کمی اور موسم کی خرابی جس میں سخت سرد ہواؤں اور بارش نے احزاب کے حوصلے پست کر دیے۔ موسم کی خرابی کو انہوں نے آسمانی بلا سمجھا اور اسے اپنے لئے شگون بد خیال کر کے محاصرہ توڑ دیا اور رات کی سیاہی میں مشرکین نہایت عجلت سے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ دشمن کی اس طرح سے ہزیمت اٹھانے سے مسلمانوں کی عظمت و فوجی طاقت کو چار چاند لگ گئے۔

علاوہ ازیں مسلمانوں کو بنی نضیر یہودیوں کے غداری کا پتہ چل گیا۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو مجبوراً جلاوطن کرنا پڑا۔ اس کے بعد بنو قریظہ (یہودیوں کے دوسرے گھرانے) کو بھی سرو شار کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا آخرکار ان دونوں یہودی گھرانوں نے اپنی تمام املاک کو رسول اللہ صلعم کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ آپ نے انصار کو چھوڑ کر اس جائیداد کو صرف مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔

یہودیوں کے خلاف مہم کے وقت آنحضرتؐ نے ابن اُم کلثوم کو مدینہ پر اپنا نائب (امیر) مقرر کیا تھا۔ یہ دوسری بار تھی کہ ایک مجاہدہ کو امیر مدینہ آپ نے مقرر فرمایا۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اب مجاہدہ صرف فن سپاہ گری اور ہتھیاروں کے استعمال میں ماہر نہ تھی بلکہ وہ سالاری کے لئے بھی اہل سمجھی گئی یہ یاد رہے کہ اُحد اور بنو قریظہ کے خلاف مہمات کے وقت مدینہ سخت خطرے میں تھا۔ دشمن مدینہ پر ہر طرف سے یورش کر سکتا تھا۔ اس نے ایسا نہ کیا یہ دوسری بات ہے مگر اس میں کلام نہیں کہ اس میں ایسا کرنے کی قدرت تو موجود تھی مگر اُن میں ہمت نہ تھی۔ آنحضرتؐ نے دونوں مواقع پر بہترین سپہ سالاری کا نمونہ پیش کیا۔ یعنی خطرات کا توازن کرتے ہوئے اس کا حفظِ ماتقدم اختیار کیا۔ مورخ طبری نے اس اہم حدیث پر تفصیل سے نہ لکھ کر بہت ہی تشنگی پیدا کر دی ہے۔ ہم اسے ایک نہایت اہم حدیث شمار کرتے ہیں۔ خصوصاً اس لئے کہ بہت سے پاکستانی مفکرین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یا تو نا آشنا ہیں یا دیدہ دانستہ اسے بھلا دیا ہے۔ اس لاعلمی کی وجہ سے خواتین اسلام میں کمتری کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ اس احساس نے ان کو زیبائش کی طرف راغب کر کے مجاہدہ کے جذبے کو مسلم عورت سے دور سے دور تر کر دیا ہے۔ اس طرح سے اسلامی ممالک

کی مدافعانہ جنگی طاقت کو کم از کم پچاس فیصدی کم کر دیا ہے۔ اور زیبائش و نمائش کے فراق نے اُن کی مالی حالت کو کمزور کر دیا ہے۔ ان کو اپنے اوپر دشمن کا مقابلہ کرنا وہم و گمان بن کر رہ گیا ہے۔ مسلم عورت مجاہدہ بنی رہی اسلامی جھنڈا فخر و اعتماد سے بلندی پر لہراتا رہا۔ زمانہ راشدین میں مسلم خواتین نے اپنے مجاہدین کے ساتھ شانہ بہ شانہ ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ تیمور گورگان کی فوج میں عورتوں کا باقاعدہ دستہ ہونے کے ہر ترکی (مغل۔ تاتاری) عورت شہسواری اور تیراندازی میں یکتا تھی۔ شمشیر زنی میں بھی اپنے دشمنوں سے کم نہ تھیں۔ تیمور نے تسلیم کیا ہے کہ ان کی ہر عورت بلند پایہ کی مجاہدہ تھی۔ تیمور ترکمانیوں کے خلاف کامیابی کو فخریہ فتح مبین پکارتے تھے اور اس جنگ کی کامیابی کے حصول کے لئے ترکی مسلم خواتین نے نمایاں حصہ لیا تھا۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ خندق کی لڑائی میں میں لوگوں کے پیچھے پیچھے چلی۔ میں چلی جا رہی تھی کہ میں نے عقب میں آہٹ محسوس کی۔ مڑ کر دیکھا تو سعدؓ نظر آئے۔ میں زمین پر بیٹھ گئی۔ ان کے ساتھ اس وقت ان کے بھتیجے حارث بن اوس تھے جو بدر میں رسول اللہ صلعم کے ہمراہ شرکت کر چکے تھے۔ جب وہ مجھ سے آگے چلے گئے تو میں ایک باغ میں گھس گئی جہاں چند مسلمان بیٹھے تھے۔ اُن میں عمرؓ بن خطاب بھی تھے۔ عمرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم بڑی

دلیر ہو یہاں کیوں آتیں ۔ ممکن ہے کہ ہمیں پیچھے ہٹنا پڑے یا کسی اور مصیبت میں پڑ جائیں ۔ اس طرح ملامت کرنے سے میں چاہتی تھی کہ زمین شق ہو جائے اور میں اس میں دھنس جاؤں ۔ اتنے میں ایک زرہ بکتر پہنے ہوئے مسلم نے خود اتار کر اپنا چہرہ ظاہر کیا ۔ وہ طلحہؓ تھے ۔ انہوں نے عمرؓ سے کہا کہ بہت کچھ کر چکے فرار و پسپائی اب صرف خدا کی طرف سے ہے ۔ لہذا حضرت عائشہ کو اپنے کام پر جانے دیجئے ۔ یہ سنکر میں آگے بڑھی تاکہ معلوم کروں کہ وہاں کوئی زخمی تو نہیں ہے ۔

عباد بن عبداللہ بن الزبیرؓ سے (طبری) مروی ہے کہ جنگ خندق میں صفیہ بنت عبدالمطلب حسانؓ بن ثابت کے ساتھ قلعہ فارع میں برائے نگرانی حفاظت میں رکھی گئی تھیں ۔

صفیہ سے مروی ہے کہ حسانؓ بھی اس قلعہ میں عورتوں اور بچوں کے ساتھ تھے ۔ کیونکہ وہ بہت بیمار تھے ۔

ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد گھومنے لگا ۔ اس سے پہلے ہی بنی قریظہ نے فسخ عہد کر کے لڑائی شروع کر دی تھی ۔ اب اس وقت کوئی ایسا نہ تھا کہ ہم اس سے بچاتا کیونکہ خود رسول اللہ صلعم اور تمام مسلمان دشمن کے مقابلے پر کھڑے تھے ۔ اس لئے ہم پر اگر کوئی حملہ کر دیتا تو ان میں سے کوئی بھی ہماری مدد کے لئے نہیں آسکتا تھا میں نے حسانؓ سے کہا دیکھتے کیا ہو ۔ یہ یہودی قلعہ کا چکر کاٹ رہا ہے

مجھے اندیشہ ہے کہ یہ ہماری کوئی غیر محفوظ اور کھلی ہوئی جگہ کو دیکھ رہا ہے تاکہ اپنے ساتھی دوسرے یہودیوں کو جاکر خبر کرے۔ رسول اللہ صلعم دشمن سے مصروفیت کی وجہ سے ہماری خبر نہیں لے سکتے۔ حسانؓ نے کہا اے عبدالمطلب کی بیٹی۔ اللہ تم کو معاف کرے میں اس کام کا نہیں ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ بالکل معذور ہیں۔ میں نے خود گرز لیا اور قلعہ سے اتر کر اس کے پاس خفیہ طور سے گئی اور اچانک گرز سے مار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اسے قتل کر کے میں پھر قلعہ میں آگئی اور میں نے حسانؓ سے کہا وہ مرد تھا اس وجہ سے میں نے اس کا لباس نہیں اتارا آپ جاکر اس کا لباس اور اسلحہ تو اتار لاؤ۔

رسول اللہ صلعم نے زخمی مسلمانوں کی خدمت کے لئے اپنی مسجد میں ایک مسلمان عورت رقیدہؓ نام کو متعین کر دیا تھا۔ چنانچہ جب خندق کی لڑائی میں سعدؓ بن معاذ کے تیر لگا تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ان کو رقیدہؓ کے خیمہ میں ٹھہرا دو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ خود رسول اللہ صلعم ان کی مزاج پرسی کو ان کے پاس گئے تھے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی گئے تھے۔ میں اپنے حجرے میں تھی۔

باب ۸

فتح مکہ اور مجاہدہ

صلح حدیبیہ کو جن حضرات نے ڈپلومیسی اور دفاعی سیاست کے اصولوں پر رکھ کر نہیں پرکھا ہے وہ بہت سی غلط فہمیوں کا شکار بن گئے ۔ یہاں تک کہ کئی مورخین نے جس فتح کو "فتح مبین" کا لقب دیا ہے اس پر تبصرہ کرتے وقت وہ حضرات یہ لکھ گئے کہ صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلعم کی نرم روش سے نعوذ باللہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ و چند دیگر صحابہؓ نے کھلم کھلا اظہار مخالفت کیا ۔ لیکن لطف تو یہ ہے کہ ساتھ ہی ساتھ یہ مورخین یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ [illegible] کی عقبیات [illegible] نے مشرکین قریش کو بے [illegible] ۔
ڈپلومیسی کے میدان کی طرف چلیے تو پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے مشرکین سے منوا لیا کہ آپ حکومت مدینہ کے واحد مختار [illegible]

ہیں اور مدینہ کو حرم کا وہی درجہ تسلیم کرتے ہیں۔
مشرکین نے ان ایام میں مکہ کو حرم کا دیا تھا۔ دوسرا نکتہ یہ تھا کہ اب مسلمانوں اور مشرکین کو خلط ملط ہونے کا موقع مل گیا۔ یعنی با الفاظ دیگر اب مجاہدین اسلام کو اشاعت اسلام کا پورا پورا موقع مل گیا۔ تیسرا نکتہ یہ تھا کہ عرب کے دو نہایت طاقتور قبائل بنو بکر اور بنی خزاعہ میں زمانۂ قدیم سے عداوت چلی آ رہی تھی۔ ان میں سے جب کبھی ایک کو دوسرے پر چڑھ دوڑنے کا موقع ملتا تو وہ قتل و غارت گری سے باز نہ آتا۔ جس وقت طلوع اسلام ہوا اس وقت تقریباً سارے قبائل ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار تھے لیکن اسلام کی عداوت اور قیصر روما، کسریٰ ایران اور حبشہ کے بادشاہ کے شہ دینے پر ان میں عارضی طور پر اتحاد پیدا کر دیا اور ان سب نے متحدہ محاذ بنانے کی کوشش کی۔ صلح حدیبیہ کے وقت جب بنو بکر نے قریش کے ساتھ دوستی کے عہد کو دوبارہ زندہ کیا تو ان کے دیرینہ حریف بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے پیمان وفا باندھا۔ اور اس طرح حریف قبائل حریف جماعتوں کے حلیف بن گئے۔ اس عہد و پیمان سے عداوت کے پرانے جذبات پھر سے تازہ ہو گئے۔ بنو بکر نے انتقام لینے کیلئے قبیلہ بنی الدیل کے رئیس نوفل بن معاویۃ الدیلی نے بنو خزاعہ پر ایسے وقت شب خون مارا جب کہ وہ ایک وتیر پر مقیم تھے۔ بنی خزاعہ سے ہٹ کر جب ایک جگہ مورچہ لیا تو بنو بکر نے بنی خزاعہ

کے عقب پر حملہ کر دیا۔ قریش نے جب حالات کو بنو بکر کے موافق دیکھا تو وہ بھی میدان جنگ میں آکو دے۔ بنی خزاعہ نے حالات کے نازک ہونے کی بناء پر بھاگ کر مکہ کے حرم میں پناہ لی۔

بنی کعب کے عمرو بن سالم خزاعی اور بدیل بن ورقہ اور خزاعہ کے نمائندے فریاد لے کر آنحضرت کے دربار میں مدینے آئے اور بنو بکر اور قریش مکہ عہد شکنی کی شکایت کی۔ آنحضرت صلعم نے عمرو بن سالم اور اس کے ساتھیوں سے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ جب بدیل ورقہ اور اس کے ساتھی مدینے سے واپسی میں عسفان پہنچے تو وہاں ان کی ابوسفیان سے ملاقات ہوئی۔ وہ قریش کی طرف سے معاہدہ صلح حدیبیہ کی توثیق، اضافہ مدت اور حالات کا توازن کرنے کے لئے مدینہ جا رہا تھا۔ اس نے بدیل سے دریافت کیا کہ آنحضرتؐ سے تو ملنے نہیں گئے تھے؟ بدیل نے جواب دیا۔ نہیں۔ مگر ابوسفیان کا دل چور تھا۔ لہٰذا وہ خفیہ طور سے مدینہ آیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ بدیل کا وفد آنحضرتؐ کے پاس حاضر ہوا تھا۔ لہٰذا وہ ڈرا اور پوشیدہ طور سے اپنی بیٹی اُم حبیبہ رجو آنحضرتؐ کی زوجہ تھیں) کے پاس پہنچا اور آنحضرتؐ کے بستر پر بیٹھنے لگا۔ مگر اُم حبیبہ نے اس بستر کو لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا اے بیٹی کیا تم نے اس بستر کو میرے شایانِ شان نہ سمجھا۔ یا مجھے اس بستر کے قابل نہ سمجھا۔ کیا بات ہے؟ اُم حبیبہ نے فرمایا یہ رسول صلعم کا بستر ہے۔ تم مشرک نجس ہو میں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ تم رسولؐ کے بستر پر بیٹھو۔ اس لئے میں نے

اسے اٹھا دیا۔

ابوسفیان نے کہا اے بیٹی بخدا مجھ سے علیحدگی کے بعد تم میں برائی آگئی۔ وہاں سے اٹھ کر ابوسفیان خود رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور معاملہ پر گفتگو کی۔ مگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب وہ ابوبکرؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ آپ اس معاملہ میں رسول پاکؐ سے گفتگو کریں۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اب وہ عمرؓ کے پاس گیا۔ اور ان سے کہا۔ عمرؓ نے جواب دیا۔ بھلا میں اور تمہاری سفارش کروں۔ وہاں سے نکل اب علیؓ بن ابوطالب کے پاس آیا۔ اس وقت ان کے پاس فاطمہؓ بنت رسول بھی تھیں اور ان کے صاحبزادے حسن بن علیؓ جو بالکل کمسن بچے تھے اور کھیلتے پھرتے تھے اور موجود تھے ابوسفیان نے کہا اے علیؓ یہاں کے تمام لوگوں سے میرے تعلقات تم سے نہایت خوشگوار تھے اور قرابت میں بھی تم میرے سب سے زیادہ قریب تر عزیز ہو۔ ایک حاجت لے کر آیا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ میں بے نیل و مرام خالی ہاتھ واپس جاؤں۔ تم رسولؐ سے ہماری سفارش کرو۔ علیؓ نے کہا ابوسفیان جس کام کا رسول اللہؐ ارادہ فرما چکے ہیں۔ بخدا میری یہ مجال نہیں کہ میں اس کے متعلق ان سے کچھ کہوں۔ ابوسفیان فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ان سے کہا۔ اے محمدؐ کی بیٹی کیا تم یہ نہیں کر سکتیں کہ اپنے اس بیٹے سے کہو کہ وہ سب کے درمیان مجھے پناہ دیں اور اس طرح ہمیشہ کے لئے عرب کے سید ہو جاویں۔ فاطمہؓ نے کہا بخدا ابھی میرا لڑکا اس

عمرؓ کو نہیں پہنچا ہے کہ وہ سب لوگوں میں ؟ کو پناہ دے۔ اور رسول اللہ صلعم کے خلاف مرضی تو کوئی بھی نہیں پناہ دے سکتا۔

ابوسفیان نے علیؓ سے کہا ابوالحسن میرے معاملات نے نازک صورت حال اختیار کر لی ہے کوئی راہ سمجھ میں نہیں آتی۔ تم مجھے مخلصانہ مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔ علیؓ نے کہا بخدا میں کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا جو تمہارے لئے مفید ہو۔ البتہ چونکہ تم بنی کنانہ کے رئیس ہو اس لئے تم خود مجمع عام میں کھڑے ہو کر اپنے کو سب کی حفاظت میں دے دو اور پھر اپنے وطن چلے جاؤ۔

ابوسفیان نے کہا کہ واقعی آپ اس مشورہ کو میرے لئے مفید سمجھتے ہیں؟ علیؓ نے کہا بخدا ہرگز نہیں جانتا ہوں کہ اس سے بھی تم کو کوئی فائدہ ہوگا۔ مگر اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت ہی نہیں ہے۔ مجبوری ہے ابوسفیان نے مسجد میں کھڑے ہو کر سب کے سامنے کہا "اے لوگو میں ابوسفیان ہوں اور اپنے آپ کو سب کی پناہ میں دیتا ہوں" یہ کہکر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر چل دیا۔ قریش کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا کیا کر کے آئے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے محمدؐ سے ملاقات کی اور اس معاملہ میں گفتگو کی۔ مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں ابوبکرؓ سے ملا۔ وہاں بھی کوئی مفید مطلب بات نہیں ہوئی۔ پھر عمرؓ سے ملا۔ ان کو میں نے سب سے زیادہ دشمن پایا۔ پھر میں علیؓ کے پاس گیا اور ان کو میں نے اور سب میں سب سے زیادہ متواضع پایا۔ انہوں نے مجھے مشورہ دیا۔ اس پر میں نے عمل کیا مگر میں

نہیں جانتا کہ آیا وہ ہمارے لئے سودمند ہوگا بھی یا نہیں ۔ قریش نے
پوچھا وہ کیا بات ہے؟ ابوسفیان نے کہا انہوں نے مجھے کہا کہ میں تمام لوگوں
کی پناہ میں اپنے کو دیدوں ۔ میں نے یہ کیا ۔ قریش نے پوچھا کیا محمدؐ نے اسے
تسلیم کیا اور اجازت دی؟ ابوسفیان نے کہا ۔ نہیں ۔ قریش نے کہا تو پھر یہ
کیا بات ہوئی ۔ بخدا علیؓ نے تو تمہارے ساتھ محض مذاق کیا ہے اس سے ہمیں
کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا تو اس کے سوا میں کچھ اور نہیں کرسکا

طبری اور ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ ۱۰ رمضان کو مدینہ
سے دس ہزار مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہوئے ۔ مگر آپ کی نقل و حرکت کی قریش
کو قطعی خبر نہ تھی ۔ تمام ذرائع مسدود ہو چکے تھے ان کو کچھ معلوم نہ تھا کہ رسولؐ
کہاں اور آپ کیا کرنے والے ہیں ۔ ابوسفیان بن حرب اور بدیل بن ورقہ اس
رات جب کہ آپؐ مرالظہران پر مقیم تھے ۔ آپکی اطلاع لینے کے لئے مکہ سے چلے ۔
ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن امیہ نیق العقاب سے آپکی خدمت میں
حاضر ہونیکے لئے روانہ ہوئے ۔ اور آپؐ سے ملنے کی درخواست کی ۔ ام سلمہؓ
نے اس کے بارے میں آپ سے کہا ۔ یارسول اللہ آپ کا چچازاد اور پھوپھی زاد
بھائی اور خسر آپ سے ملنا چاہتے ہیں ۔ مگر آنحضرتؐ نے ملنے سے انکار کر
دیا ۔ آخر کار رسول اللہ صلعم نے عباس (چچے) سے فرمایا اچھا جاؤ ہم نے اسے
امان دی ۔ کل صبح لیکر آنا ۔ عباس ابوسفیان کو اپنے مقام پر لے گئے
اور دوسرے دن صبح رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لے گئے عباسؓ سے
مروی ہے کہ ابوسفیان کے کلمہ شہادت پڑھ لینے کے بعد رسول اللہ صلعم

نے مجھ سے فرمایا۔ اب تم جاؤ اور ان کو وادی کے تنگنا نے کے قریب پہاڑ کی چوٹی پر اپنے ساتھ رکھنا۔ تاکہ وہ اللہ کی فوجوں کو جب وہ اُن کے سامنے سے گذریں دیکھ لیں۔"

عباسؓ کے عرض کرنے پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ مامون ہوگا۔ جو مسجد میں چلا جائیگا وہ مامون ہے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے۔" مکہ فتح ہوگا۔

آمدم بر سر مطلب۔ سب سے پہلے ہم کو اُن اسباب سے بحث کرنی چاہیئے جن کے باعث خواتین عرب کو باوجود اُنکے جنگلی اور وحشی ہونے کے ایسی شاندار قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ ان کو اس قدر قلیل عرصہ میں کیسے حاصل ہوئی اگر اُن میں ایسی جوہات پہلے سے موجود تھی تو اسلام لانے سے پہلے انہوں نے اِسکا مظاہرہ کیوں نہ کیا اور اپنے تئیں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا جانا کیونکر برداشت کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد عربی خواتین ہی نہ رہی تھیں جو قبل از اسلام تھیں۔ اُنکی بالکل کایا پلٹ گئی تھی۔ عرب جدا جدا اور منتشر قبیلے تھے وہ ایکدوسرے سے بیگانہ تھے۔ اسیطرح سے عرب عورت ہو یا مرد وہ حیوان انسان تھے۔ جنہیں آنحضرت صلعم نے پہلے حیوان انسان

سے انسان بنایا اور پھر ان دونوں کو قوت ارادی کی تعلیم دی ۔ دوسرا سوال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے خواتین کے مسائل پر پہلے غور نہ کیا ۔ ہم اس کمزوری کو تسلیم کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے بیشتر کو جب کسی مسئلہ کا سامنا ہوتا ہے تو بہت کم یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ٹھنڈے دل اور نظر عمیق سے اس پر غور کیا جائے ۔ تمام پہلوؤں کا تجزیہ ہو اور پھر فیصلہ کیا جائے ۔ اس کے برعکس ہم ایسے پریشان کن مسئلہ کے ہاتھوں اپنی کئی راتیں آنکھوں میں کاٹ دیتے ہیں ۔ جہاں تک ہو سکے اس کے بارے میں فیصلہ ملتوی کرتے رہتے ہیں ۔ جسے Pending file کے نام سے پکارا جاتا ہے یا اگر ایسا نہ کر سکیں تو دوسرا انتہائی نوعیت کا قدم اُٹھاتے ہیں ۔ یعنی پریشانی اور جلد بازی کے عالم میں کود پڑتے ہیں ۔ جس سے ہماری مشکلات اور گہری اور پیچیدہ ہو جاتی ہیں ہمیں کوئی بھی قدم حقائق سے گریزاں ہو کر نہ اُٹھانا چاہیئے ۔ اپنے مسئلہ کے اور زیادہ حقائق معلوم کیجئے اور اُن پر اُس وقت تک غور کریں جب تک آپ کو ان کے معاملہ میں اپنی حقیقی پوزیشن کا پورا اندازہ نہ ہو جائے ۔

پریشان کن مسائل کے مقابلہ میں جلد بازی اور تاخیر دونوں ہی نقصان دہ ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی قوت فیصلہ ایک عادت کی

حیثیت رکھتی ہے اسے حاصل کرنے کے لئے چند صورتوں کو پیشِ نظر رکھنا لازمی ہے. چھوٹے چھوٹے اور اہم معاملات میں فرق معلوم کرنا ضروری ہے اور جن چیزوں کو آپ راہِ عمل منتخب کریں اُن پر مضبوطی سے فیصلہ کریں. مثلاً اُمِ حبیبہؓ کا اپنے باپ ابوسفیان سے سلوک. یہ چھوٹا معاملہ تھا اور اسکا فیصلہ آناً فاناً ہو گیا، مگر آنحضرت صلعم نے خاموشی اختیار کی تاکہ ابوسفیان کے دلی مقصد اور عزم کا پتہ چل جائے. حضرت علیؓ نے جہاں ابوسفیان کو آزمائش میں ڈالا۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے صاف گوئی پر عمل کر کے ابوسفیان کو اپنی اپنی رائے کا اظہار کر دیا. اسلامی اتحاد کا جلوہ اُن کے تمام کاموں میں نظر آتا تھا۔ اُنہوں نے آشکارہ کر دیا کہ مسلم دعوتِ اسلام کی راستی کو کیونکر مانتے ہیں اور یہ کہ جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں دُنیا کے لئے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور آخرت کے لئے. اُنہوں نے قریشِ مکہ کو بتا دیا کہ جس چیز کی جانب اُن کو بلایا گیا ہے. وہ واقعی حق اور راست ہے اُس میں ذاتی لالچ. کینہ وری اور انتقام کی ذرہ بھر گنجائش نہیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ دنیا کو دین پھیلانے کے لئے فتح کرنا چاہتے ہیں، بادشاہت یا جاہ وجلال کے لئے نہیں اور آئندہ عالم کی نعمتیں عالمِ ہستی کی نعمتوں سے کہیں عمدہ

اور دیرپا ہیں۔ یہی عقیدہ تھا جسنے عرب کے مرد اور عورت میں صدیوں کی تفاوت کو دور کردیا۔ مجاہد اور مجاہدہ کو بڑے سے بڑے اور سخت کام میں ہاتھ ڈالنے پر دلیر بنا دیا۔ اور اسمیں بھی شک نہیں کہ انہوں نے اپنے حملوں اور لڑائیوں میں نبی صلعم کے زمانہ میں مسلسل فتحمندی کا جو مزہ چکھا تھا۔ اُسنے بھی اُن کو اس خیال پر جمے رہنے میں بڑی مدد دی۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جب اُسے کسی کام میں نفع حاصل ہوتا ہے یا کوئی تجارت سود مند ثابت ہوجاتی ہے تو اُس کام یا تجارت کے ترقی دینے میں اُسے اپنے تمام سرمایہ کو بھی لگا دینا گراں نہیں گزرتا ہے۔

آخر میں آنحضرت صلعم نے یہ نکتہ بھی عیاں کیا کہ زیادہ بولنے سے بڑھکر انسان کے لئے کوئی بُری چیز نہیں۔ آپ نے ابوسفیان کو کوئی جواب نہ دیا۔

نسیبہ رضؓ بنت کعب عمارہ بن اعازنی

(اُمِ عمارہ)

مجموعہ کامل یعنی مغازی الصادقہ (داودی) میں مرقوم ہے کہ ام سعد بنت سعد بن ربیع نے کہا ہے کہ میں نسیبہ بنت کعب عمارہ سے ملنے گئی اور اُنسے کہا آپ مجھے اُحد (غزوہ) کے متعلق بیان فرمائیں۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ میں (نسیبہ) اُحد کی طرف ایک مشک پانی سے بھری ہوئی لیکر نکلی اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچی۔ اُسوقت جنگ کے حالات مسلمانوں کے خلاف تھے۔ حضرت صلعم کے گرد صرف دس صحابہؓ اُن کی حفاظت کے لئے جمع تھے۔ میں لوگوں کو پانی پلاتی تھی۔ اور دشمنوں پر تیر چلا چلا کر قتال کرتی رہی۔ مجھے اپنی تیراندازی پر ناز ہے کیونکہ میں کامیابی سے دشمن کی آنکھ پر نشانہ لگاتی تھی اور جو دشمن حضرت صلعم پر تلوار سے حملہ کرنا چاہتے تھے اُن کو روکتی تھی۔ میرا شوہر خزبہ بن عمرو اور دو لڑکے بھی اُحد کے میدان جنگ میں قتال کررہے تھے۔ جب میرے تیروں کا ترکش خالی ہوگیا۔ تو حضرت صلعم کے فرمان پر ایک صحابیؓ نے مجھے ایک تلوار دی۔ اس طرح سے

ہم چاروں یعنی میں اور میرا شوہر اور دونوں بیٹے اُن صحابیوں
کے ساتھ ملکر حضرت صلعم کی حفاظت میں مشغول رہے۔
حضرت صلعم نے جب دیکھا کہ میرے پاس سپر (ڈھال) نہیں ہے۔
تو آپ نے ایک صحابی سے مجھے دلوادی۔ اسی اثناء میں
مشرکین کے شاہسوار جو خالد بن الولید اور عکرمہ کے
تحت تھے ہم پر حملے کر رہے تھے۔ مگر اب ہمارے مددگار
مجاھد حضرت صلعم کے گرد کافی تعداد میں جمع ہوگئے تھے۔ لہٰذا
ہم ان شہسواروں کے حملوں کو روکنے میں اسلئے کامیاب
ہوگئے کیونکہ ہم پہاڑ کی بلندی پر تھے جہاں پر دشمن کے
شہسوار ہم پر تیز رفتاری سے حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ ایک
شہسوار نے مجھ پر حملہ اور میں نے اُسپر تلوار کا وار کیا۔ اُسکا
وار مجھ پر اُوچھا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اُس پر میری
تلوار کا وار بہت کاری پڑا۔ اور وہ گھوڑے سے جب زمین پر
آگرا، عین اُسوقت ایک دوسرا شہسوار مجھ پر حملہ آور ہوا تو نبی صلعم
نے باآواز بلند فرمایا "اے پسر ام عمارہ اُمک، اُمک یعنی جلد جا
اور اپنی ماں کی خبر لے۔ اُسکی اعانت کر" پس میرے بیٹے نے
میری اعانت کی یہاں تک کہ میں نے اُسکو شعوب میں وار
کیا یعنی اُسے حوالۂ مرگ کیا۔ واقدیؒ نے حدیث بیان کی ہے کہ احد کے میدان
جنگ میں مجروح ہوئے اور جس شخص نے ابن ابی سبرہ عمر یحییٰ

کے بائیں بازو پر تلوار سے شدید زخمی کیا۔ اسکے بعد وہ
مشرک اس حملے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ مگر ابن عمرو نے
بیان کیا کہ "میرے زخم کا خون تھمتا نہ تھا۔ تب حضرت صلعم نے
فرمایا کہ "اپنے زخم پر پٹی باندھ لے"۔ اس وقت میری والدہ
(ام عمارہ) میرے پاس آئیں اور انکے پاس مرہم اور چند
پٹیاں کپڑے کی موجود تھیں۔ تب انہوں نے زخم کو باندھ دیا
اور خون نکلنا ختم گیا۔ حضرت صلعم کھڑے ہوئے دیکھتے تھے۔
بعد ازاں میری والدہ نے کہا بیٹا جلد جا اور مشرک قوم کو مار۔
حضرت صلعم نے فرمایا۔ یا ام عمارہؓ "کون ایسی طاقت
رکھتا ہے۔ جیسی تو رکھتی ہے۔ جیسے تو کرسکتی ہے دیسا
کون کرسکتا ہے"۔ پھر وہ شخص جس نے مجھے تلوار ماری تھی
ہماری طرف آگے بڑھتا نظر آیا۔ اسپر حضرت صلعم نے فرمایا کہ
یہی شخص تیرے بیٹے کو بھی تلوار مارنے والا ہے۔ ام عمارہ نے
کہا کہ "پھر میں اس سے پیش آئی۔ میں نے اس کی ران پر ایسی
تلوار ماری کہ وہ گر پڑا۔ اس وقت میں نے رسول خدا صلعم کو
ہنستے دیکھا۔ یہاں تک کہ ہنسی میں دندان مبارک دکھائی دیئے
بعد ازاں حضرت صلعم نے فرمایا "اے ام عمارہ آخر تو نے بدلہ لیا
بعد ازاں ہم اسپر جا پہنچے اور اس سے قتل کرکے اس کے ہتھیار لیلئے۔
اس وقت حضرت صلعم نے فرمایا "حمد ہے اس خدا کی جس نے

تجھکو ظفریاب کیا اور تیرے دشمن سے تیری آنکھیں کو ٹھنڈا کیا
اور بدلہ تیرا تجھ کو آنکھوں سے دکھا دیا۔"

واقدی رحمۃ اللہ نے یعقوبؒ بن محمدؐ کے حوالے سے یہ
بیان درج کیاہے کہ "حضرت عمرؓ کے عہد میں خمس میں ایک گلیم
بڑا چوڑا لانبا اور بہت خوب بنا ہوا تھا۔ مردم حضار میں سے
بعض نے کہا کہ یہ چادر اس قدر قیمت کا ہے۔ کاش آپؓ چادر
کو صفیہ بنت ابی عبید کے تئیں جو زوجہ عبد اللہ ابن عمرؓ ہے
(یعنی اپنی بہو کو) بھیجدیجئے۔ اسلئے کہ وہ ابھی کم سن ہے"۔ عمرؓ
نے کہا" میں اس گلیم کو اس شخص کے تئیں بھیجوں گا۔ جو صفیہ سے
زیادہ تر حقدار ہے وہ ام عمارہ نسیبہ بنت کعب ہے کیونکہ
میں نے روزِ احد رسول خدا صلعم سے یہ سنا۔ آپؐ فرماتے تھے
کہ" جب میں نے اپنے داہنے اور بائیں مڑ کر دیکھا تو ام عمارہ ہی کو دیکھا
کہ وہ میرے قریب قتال کر رہی ہے۔"

واقدی لکھتے ہیں کہ کسی نے ام عمارہ سے پوچھا اے ام عمارہؓ
روز احد کیا مشرک قریش کی بھی عورتیں اپنے شوہروں کے ہمراہ ہوکر
قتال کرتی تھیں۔ ام عمارہ نے کہا اعوذ باللہ لا واللہ۔ خدا
کی پناہ ایسا نہیں ہوا۔ میں نے اُن کی عورتوں میں سے کسی کو نہیں
دیکھا کہ اُسنے تیر چلایا ہو۔ یا پتھر مارا ہو۔ مگر میں نے یہ دیکھا کہ
اُن عورتوں کے پاس دف و ڈھول باجے تھے کہ بجا بجا کر اپنی قوم کو

اُنکے مرو ے مقتولان بہ ریاد دلاتی تھیں اور اُن کے ساتھ سُرمہ دانیاں اور سلائیاں تھیں کہ جب کوئی اُن کے مردوں میں سے بھاگتا تھا یا نامردی سے ٹھہرجاتا تھا۔ تو وہ عورتیں سُرمہ دانی اور سلائی پیش کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تو عورت ہے یعنی عورتوں کا سا سنگار کر۔ اور میں نے اُن کی عورتوں کو دیکھا کہ منہ پھرائے بھاگی جاتی تھیں اور دامن کمر میں لپیٹے ہوئے تھیں ۔ اور اُن کے مرد اُن کے سامنے گھوڑوں پہ سوار اپنی جانیں بچانے کے لیے میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔"

واقدی رحمۃ اللہ نے ام سعد بنت سعد بن ربیع سے یوں بیان کیا ہے کہ "۔۔۔۔ جب میں نے اُم عمارہؓ کے شانے پہ ایک زخم دیکھا کہ جسمیں غار و جوف تھا۔ میں نے پوچھا اے ام عمارہ یہ زخم تجھ کو کس کے ہاتھ سے لگا۔ اُسنے کہا کہ جب چند لوگوں نے جنگ اُحد میں حضرت صلعم کے حکم سے روگردانی کی۔ تو ابن قمیہ آگے بڑھا۔ اور بہ آواز بلند کہنے لگا کہ مجھے بتاؤ محمدؐ کہاں ہیں۔ اگر وہ بچ گئے تو میں نہ بچوں گا۔ اسوقت مصعب بن عمیرؓ آگے بڑھے کچھ اور لوگ بھی اُنکے ساتھ تھے اور اُن میں میں بھی تھی ۔ تب ابن قمیہ نے مجھ پہ ضرب لگائی۔ پہ اُس پر بھی یعنی باوجود زخمی ہونے کے میں نے بھی اُسکو کئی ضربیں ماریں مگر اُس دشمن خدا پہ دو زرہیں تھیں۔ اِس صورت میں کوئی

ضرب کارگر نہ ہوئی۔

پھر میں نے پوچھا تیرے ہاتھ میں کیونکر یہ صدمہ پہونچا۔ اُسنے کہا یہ صدمہ مجھکو روز جنگ یمامہ کے پہنچا۔ وہاں جب اعراب نے لوگوں کو شکست دی اور سب بھاگے جاتے تھے تو اُس وقت انصار نے ندا دی کہ آؤ ہمارے ساتھ ہو لو۔ ہم تم باہم ہو جاویں۔ پس انصار آملے اور مجتمع ہو گئے اور میں بھی اُن کے ساتھ تھی۔ یہاں تک کہ جب ہم حدیقۃ الموت میں پہنچے تب وہاں ہم لوگوں نے ایک ساعت قتال کی تا آنکہ ابو دجانہ باب حدیقیہ پر شہید ہوئے اُسوقت حدیقیہ کے اندر میں گھس گئی اور اُس دشمنِ خدا مسلیمہ کو میں تلاش کرتی تھی اور میرا ارادہ اُسے قتل کرنے کا تھا۔ چنانچہ مشرکین میں سے ایک شخص میرے سامنے آیا۔ اور میرے ہاتھ پر تلوار مارکر قطع کر دیا اور واللہ وہ حدیقیہ میرے تئیں باہر آنے سے مانع نہ تھا مگر میں اُس حدیقیہ پر اسواسطے چڑھی تھی تاکہ اُسکے (مسلیمہ) قتل سے مطلع ہوں۔ یہاں تک کہ میں اُس خبیث مردہ مقتول پر پہنچی اور میرا بیٹا عبداللہ بن زید المازنی کپڑے سے اپنی تلوار صاف کر رہا تھا۔ میں نے کہا تو نے قتل کیا۔ اُسنے کہا ہاں میں نے قتل کیا۔ تب میں نے سجدہ شکر کیا"

ضمرہ بن سعید ذکر کرتی ہیں کہ میری جدہ اُحد میں حاضر ہوئیں لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔ انہوں نے کہا میں نے سنا رسول اللہ صلعم

سے فرماتے تھے کہ نسیبہ بنت کعب کا مقام آج کے روز فلاں وفلاں سے
بہتر ہے اور حال یہ تھا کہ آنحضرت صلعم اس کو قتال شدید کو کرتے
ہوئے دیکھتے تھے اور وہ اپنے کپڑے کمر مضبوط باندھے تھی تا آنکہ ہوئی
۱۳ زخم لگے تھے پھر جب اس بی بی (ام عمارہ) نے وفات پائی تو میں
غسل دینے والیوں میں تھی۔ اس وقت میں نے اس کے زخموں
کو ایک ایک کر کے شمار کیا تو وہ سب ۱۳ (تیرہ) تھے اور کہا
کہیں دیکھتی تھی ابن قمیہ نے جس وقت اس بی بی کے شانے
پر تلوار ماری زخم اس کا بہت گہرا تھا۔ سال بھر اس کی دوا
کی۔ بعد ازاں رسولِ خدا صلعم کے منادی نے برائے جنگ
حمراء الاسد کو ندا دی تب اس بی بی نے اس زخم کو اپنے کپڑے
سے خوب کس کر باندھا مگر خون بہنے سے اس میں کچھ قوت باقی نہ رہی
تھی۔ یہاں تک ہم لوگ ساری رات ٹھہرے رہے اور زخم کی تکمید
تا صبح کرتے رہے اور جب رسولؐ حمراء سے مراجعت فرمائی اور
ہنوز اپنے دولت منزل میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ کہ عبداللہ
بن کعب بن المازنی کو پاس اس بی بی (ام عمارہ) کے واسطے
عیادت کو بھیجا۔ پس عبداللہ نے واپس آ کر جب اس کی سلامتی
کی خبر دی تو حضرتؐ اس خبر سے بہت خوش ہوئے۔

واقدی علیہ رحمت نے ابی سید سے حدیث بیان کی ہے
جوان کو حارث بن عبداللہ سے ملی۔ جنہوں نے کہا میں نے عبداللہ

بن زید بن عاصم سے وہ کہتے تھے ۔ کہ میں ہمراہ رسول اللہ صلعم کے
حاضر احد ہوا ۔ جب حضرت ؐ کی خدمت سے چند لوگ متفرق
ہو گئے تو میں حضرت ؐ کے قریب گیا ۔ اس وقت میری والدہ دشمنوں
کو ان سے دفع کر رہی تھیں ۔ تب مجھ سے حضرت ؐ نے فرمایا ۔ اے پسر
عمارہ امی کو ۔ میں نے ان کے حضور میں مشرکین کے ایک سوار کو
پتھر مارا جو اس کے گھوڑے کی آنکھ پر لگا ۔ گھوڑا ایسا تڑپا کہ
وہ آپ بھی گرا اور اس کا سوار بھی ۔ تب میں نے اس کے اوپر
اس قدر پیہم پتھر پہ پتھر مارے کہ وہ سوار مر گیا ۔ اس وقت حضرت ؐ
نے میری والدہ کے شانے پر زخم دیکھکر فرمایا "امک" "امک" اپنی ماں
کی خبر لے ۔ اپنی ماں کے اس کے زخم پر پٹی باندھ ۔ حق تعالےٰ برکت
نازل کرے تم لوگوں (اہل بیعت) پر اور فرمایا کہ رتبہ و درجہ
فلاں فلاں سے بہتر ہے اور مقام تیرے ربیب کا (یعنی تیری
ماں کے شوہر کا) بہتر ہے فلاں فلاں سے اور مقام تیرا بہتر
ہے فلاں و فلاں سے ۔ حق تعالےٰ تم لوگوں پر یعنی اہل بیعت پر
رحم کرے تب میری والدہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ حق تعالےٰ
سے دعا کیجیے کہ وہ ہم کو جنت میں آپ کا رفیق کر دے چنانچہ
حضرت صلعم نے دعا کی " اے پروردگار ان لوگوں کو جنت میں
میرا رفیق کر " اس وقت میری والدہ نے کہا کہ اب مجھے
مصیبت کی کیا پرواہ ہے جو مجھ کو دنیا میں پہنچی ہے ۔

مذکورہ احادیث کے بعد اس قابلِ فخر ہستی مجاہدہ پر تبصرہ کی گنجائش نہیں رہتی ۔ اسلامی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مجاہد ہو یا مجاہدہ وہ کبھی نہ بوڑھے ہوئے ہیں اور نہ ہی وہ فنا ہوئے ہیں ۔ ان کا نام اس دنیا میں زندہ رہتا ہے اور آخرت میں ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے ۔ اقبال نے خوب لکھا ہے ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

مجاہدہ اور مشرک قریش عورت ایک ہی قبیلہ ایک ہی وطن اور ایک ہی خون رشتہ تھا ۔ مگر ان دونوں کے نظریہ میں کس قدر زمین و آسمان کا فرق تھا ۔ ایک دنیا کی متلاشی تھی اور دوسری آخرت کی ۔ دنیا کی متلاشی حقیر تھی حقیر رہی کیونکہ وہ فانی دنیا کو پر اعتماد کرتی تھی ۔ مگر جوانی ہمیشہ نہ قائم رہی ہے نہ رہے گی ۔ لہٰذا وہ دائمی مقام حاصل نہ کر سکی ۔

ام عمارہ رضی جب احد کے میدان جنگ میں لڑیں تو ان کے دو جوان بیٹے بھی مجاہد تھے ۔ لہٰذا آپ کی عمر کیا چالیس سال سے کم ہو گی اور اس میں اگر عہد رسالت ۔ اور عہد راشدہ کو ملایا جائے تو ارتداد کے مطابق وہ ساٹھ سال کی عمر سے کیا کم ہو گی جب کہ آپ نے مسیلمہ کے خلاف جہاد کیا اور ایسے عزم مندجہ ۹

اور بہادری کا ثبوت دیا جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ ہم نے کئی جنگوں میں حصہ لیا ہے لہٰذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ بہت سی مسلم خواتین اور بھی ہیں جن کا ذکر مورخین نے نہیں کیا۔ علاوہ ازیں ہم نے تو اب تک صرف مشتِ از خروارے پیش کیا ہے۔

زندگی را بقا از مدعا است — کاروانش را درا از مدعا است
زندگی در جستجو پوشیدہ است — اصل او در آرزو پوشیدہ است
آرزو را در دلِ خود زندہ دار — تا نگردد مشتِ خاکِ تو مزار

شاعر کا مدعا یہ ہے کہ جس دل میں کسی مدعا کی آرزو نہیں وہ دل زندگی کی حرارت سے محروم ہے۔ وہ زندگی کے باوجود مردہ ہے دل کی حرارت آرزو پر منحصر ہے اور آرزو جستجو کی محرک ہے۔ جستجو کی یہی سرگرمیاں جو ہر شخص کے قوائے فعالیہ کی استعداد پر منحصر ہوتی ہیں۔ انسان کی زندگی کا تعین کرتی ہیں۔ پس ہر شخص اپنی زندگی کا تعین ایک ہی مدعا کی جستجو سے نہیں کر سکتا۔ انہیں امور کے تعین ، متعینِ ذات ہے اور انہیں محسوسات کا احساس احساسِ نفس ہے۔

نقطۂ نورے کہ نام او خودی ست
زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی است

—— ⁘ ——

باب ۹

یمن کا اسود الکذاب العنسی اور مجاہدہ آزاد بنت بنو الہمدانی

۱۰ ہجری رمضان میں حضرتؐ نے علیؓ بن ابی طالب کو یمن میں خالدؓ بن ولید کی مدد کے لئے بھیجا تاکہ وہاں اشاعت اسلام بسرعت ہو۔ گو خالدؓ وہاں چھ ماہ سے مقیم تھے۔ مگر انہوں نے فوجی نقطۂ نظر سے یمن پر قبضہ کر لیا۔ مگر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ حضرت علیؓ کے آنے پر تمام یمن والے مسلمان ہو گئے۔ یہ یاد رہے کہ یمن تجارتی اور معاشی لحاظ سے عربستان کا بہت ہی اہم علاقہ تھا۔ روما اس پر حبشہ کے نجاشی (بادشاہ) کے ذریعے سے قبضہ کرنا چاہتا تھا ایران کے کسریٰ کا بہت عرصہ تک یمن پر قبضہ رہا تھا۔ مگر جب ہرقل نے ایران کی افواج کو شکست دی تو اسے مجبوراً یمن کو چھوڑنا پڑا۔ اور حقیقتہً اس پر اقتدار حاصل کر لیا۔ روما کے قیصر کے دفاعی

اور تجارتی منصوبہ کو تکمیل دینے کی غرض سے حبشہ کے ذریعہ سے واقعہ فیل وقوع پذیر ہوا تھا۔ لہٰذا آنحضرتؐ کا یمن کی طرف متوجہ ہونا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ خصوصًا حجاز کی معاشی زندگی جو مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی جانب تجارت کو مکہ اور مدینہ کے راستوں پر سے فروغ دینے پر انحصار کرتی تھی۔ اس تجارت کی وجہ سے حجاز کے عرب بار برداری کے جانور یہودی اور عیسائی بڑے تاجروں کے کمیشن ایجنٹ بن کر روزی کماتے تھے اور تجارتی قافلوں کی، حفاظت بدّو عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت علیؓ کی محنت سے جلد ہی سب یمن حضر موت وغیرہ کا علاقہ مسلمان ہوگیا۔ مسلمانوں کی تعداد کا بڑھنا اور عرب کے آزاد ہونے نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کو پریشان کر دیا۔ لہٰذا انہوں نے رشوت کی مدد سے عربوں کے سرداروں (شیخ) کو اپنے ساتھ ملانے کی مہم جاری کر دی اور ان شیوخ کی مدد سے نقلی نبی آنحضرتؐ کے مقابل کھڑے کر دیئے۔ یہ اس لئے آسان امر تھا کیونکہ حجاز میں اسلام کی ہر دلعزیزی سردارانِ قبائل اور دوسرے غیر مسلم مذہبی رہنماؤں کے لئے بہت ناقابلِ برداشت تھی۔ امرا و رؤسا جاہ طلب۔ فریب نفس میں مبتلا اپنی برتری اور عظمت کو قائم رکھنے کے لئے آرزو مند رہتے تھے۔ اسلام جو دنیا میں تفرقہ مٹانے آیا تھا انہیں ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ جب ان بڑی حکومتوں کی جانب سے انہیں نہ صرف

ملی بلکہ مالی امداد اور اسلحہ کی بہم رسانی بھی کی جا رہی ہوگی تو ان تمام مشرکین نے اپنے عزائم میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔

یہ جانتے ہوئے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں شراب۔ زنا۔ قتل و غارت وغیرہ کو بہترین شغل سمجھتے تھے۔ لہذا جب شیوخ قبائل نے از سر نو انہیں عیش و عشرت اور سابقہ رنگین زندگی دینے کا وعدہ کیا اور زکواۃ و عبادات کی قید سے مخلصی دلانے کا اقرار کیا تو تمام عربستان میں اسلام کے خلاف بغاوت کے شعلے بلند ہونے لگے۔ ارتداد کے طوفان نے ان کے احساسات خوابیدہ کو جگا دیا۔ یمن میں عبدالقیس لقمان بن منذر کا پوتا تھا۔ وہ حمیری خاندان اور حکومت رفتہ کی شان و شوکت کو از سر نو زندہ کرنیکا تمنائی تھا۔ اور اہل یمن کے دلوں میں حمیری خاندان کی حکومت اور دبدبہ کی یاد ہنوز باقی تھی چنانچہ ان شاہان کا شروع کردہ دعوی نبوت اس قدر عام ہو گیا کہ مرد تو مرد کئی عورتوں نے بھی نبوت کا دعوی کر دیا۔ اس طرح راسخ العقیدہ اور سعادت مند تو استقلال سے اسلام کا دامن تھامے رہے لیکن کمزور دل منافقین اس طوفان میں بہہ گئے۔ مثلاً سلمی اور سجاح اور طلحہ وغیرہ۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ عہد رسالت میں کوئی باقاعدہ فوج نہیں ہوتی تھی۔ ہر مسلمان اللہ کا سپاہی تھا اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا رضاکارانہ جذبہ ہر دل میں موجزن تھا۔ جب ضرورت

پڑتی، اور جہاد کا اعلان کیا جاتا تو عامتہ المسلمین جوق در جوق دین کی خدمت کرنے کے لئے آتے۔ وہ تنخواہ اور مال و متاع کے لالچ سے نہ آتے تھے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر میدان میں نکل پڑتے تھے۔ لہٰذا یمن کے عامل کے پاس کوئی فوج نہ تھی۔ آنحضرتؐ کی علالت اور فوج نہ ہونے کا مشرکین نے فائدہ اٹھایا۔ مورخ ابو جعفر لکھتے ہیں۔ اگر اسود نے یمن میں مسیلمہ نے یمامہ میں اور دوسرے مدعیان نبوت نے رسول اللہ صلعم کو حجتہ الوداع کے بعد جب حضرتؐ مدینے واپس آئے اور مسافروں کے ذریعے تمام عرب میں آپ کی علالت کی خبر مشہور ہو گئی تو انہوں نے اپنی اپنی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ یہ لوگ جیسے شاہان روما و ایران نے ہوا دی تھی۔ نہایت تیزی سے بھڑکی اور جنوبی مشرقی اور شمالی عرب کو لپیٹ میں لے لیا۔ جھوٹا نبی اسود اپنی فوج کے ساتھ نہایت ہی سرعت سے بڑھا۔ اور حضر موت کے صحرا صہید سے لے کر طائف کے علاقے سے عدن کی جانب بحرین تک کا علاقہ اس کے قبضہ میں آگیا۔ تمام یمن اس کے ساتھ ہو گیا البتہ قبائل عک تہامہ میں اس کے مخالف تھے اور بہت سے مسلمانوں کی جائے پناہ بن گئے۔ اسود کی پیش قدمی کی کیفیت ایک جہاں سوز آگ کی سی تھی کہ جدھر اس نے رخ کیا۔ سب کو جلا دیا۔ عامر بن شہر الہمدانی نے جو عامل یمن تھے مجاہدین کے ساتھ پیشقدمی کی۔ ادھر فیروز اور

وازدویہ الفارسی اور دوسرے عاملوں نے تیاری شروع کر دی مگر عربوں کے اپنے شیوخ کے پراپیگنڈہ کی وجہ سے بہت سے عوام نے ان عاملوں کی آواز پر لبیک کہا۔ ان کے سوا ر پر تو ابناشی کے بعوث سوار ہو چکے تھے جشیش بن الدیلمی سے مروی ہے کہ وبر بن یحنس رسول اللہ ؐ کا خط لے کر ہمارے پاس یمن میں آئے۔ اس خط میں آپ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم اپنے دین پر قائم رہیں اور فلاں فلاں اشخاص کو ہم اسود کے مقابلہ کے لئے حیلہ و تدبیر سے کام نکالنے کے لئے آمادہ کریں اور ہر شخص سے جس سے ذرا بھی بھلائی کی توقع تھی۔ رسول ؐ کا پیغام پہنچا دیں۔ مگر تجربے سے معلوم ہوا کہ اسود کے خلاف جنگی محاذ پر کامیاب ہونا بہت دشوار ہے مگر اسی زمانے میں ہمیں خبر ملی کہ اسود اپنے سپہ سالار قیس بن عبد الیغوث سے مشتبہ ہو گیا ہے۔ عبد بن صخرے نے لکھوا ہے کہ عامر بن شہر کے مقابلے کے وقت اس کے ساتھ ہزاروں شتر سواروں کے علاوہ سات سو شہ سوار تھے۔ ان کے سرداران فوج میں قیس بن عبد الیغوث المرادی۔ معاویہ بن قیس۔ قیس الجنبی۔ یزید بن محرم۔ یزید بن حصص الحارثی اور یزید بن اشکل الازدی نامی سردار تھے اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور اس کی شوکت بہت بڑھ گئی۔ سواحل میں سے حازعثر۔ شرجہ۔ حردہ۔ غلافقہ۔ عدن اور جند پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا۔ عامر بن شہر کی فوج کو شکست

ہوئی۔ اور وہ خود شہید ہو گئے۔ مسلمانوں میں سے چند نے اسود سے رحم کی درخواست کی۔ اسود نے عامر بن شہر کی بیوی آزاد بنت بنو الہمدانی سے شادی کر لی۔ جو فیروز عامل کے چچا کی بیٹی تھی۔ قیس کی سفارش پر جواب فیروز اور داذویہ الفارسی کی جگہ "ابنا" کا سردار اور فوج کا سپہ سالار تھا۔ ان دونوں کو اسود نے معاف کر دیا۔

جشیش نے لکھا ہے کہ جب ہمیں خبر ملی کہ اسود اپنے سپہ سالار قیس بن لیغوث سے مشتبہ ہو گیا ہے تو ہم نے خیال کیا کہ اس صورت میں اب قیس کو خود اپنی جان کا خوف ہو گا۔ لہٰذا اگر ہم اسے دعوت دیں تو وہ غالباً منظور کر لیگا۔ ہم نے اسے دعوت دی۔ پوری کیفیت سنائی اور رسول اللہؐ کا پیغام پہنچایا۔ وہ اس بات سے اس قدر خوش ہوا کہ گویا اس کے دل کی بات پوری ہو گئی جو آسمان سے نازل ہوئی۔ وہ اسود کے برتاؤ سے بہت ملول اور کبیدہ خاطر تھا۔ اس نے فوراً ہماری بات منظور کر لی۔ دبر بن یحنس بھی ہمارے پاس آگئے۔ ہم نے اور لوگوں سے بھی مراسلت کی اور دعوتِ جہاد دی۔ شیطان (جاسوسوں) نے اس کارروائی کی بھنک اسود کو پہنچائی۔ اس نے قیس کو طلب کر کے کہا۔ سنتے ہو یہ فرشتہ کیا کہہ رہا ہے۔ قیس نے پوچھا وہ کیا۔ اسود نے پوچھا یہ کہتا ہے کہ تو نے قیس کی عزت کی۔ اس کا درجہ بڑھایا اور جب اس نے تمہارے مزاج پر پورا دخل حاصل کر لیا۔ اور تمہاری طرح سے

وہ معزز اور ممکن ہوگیا تو وہ تمہارے دشمن سے جا ملا ہے تمہاری حکومت کے درپے اور بد عہدی پر کمربستہ ہوگیا۔ اے اسود تم فوراً اس کا سر قلم کر کے اس کا لباس اتار لو۔ ورنہ وہ خود تمہارا لباس اتار لے گا۔

قیس نے اس کے جواب میں قسم کی کر کہا یہ شیطان بالکل دروغ گوئی کر رہا ہے۔ میرے دل میں آپ کی اس قدر عظمت اور وقعت ہے کہ میں آپ کے متعلق اپنے دل سے بھی کوئی بات نہیں کرتا۔ اسود نے کہا تم بھی کس قدر بیرے ہو کہ فرشتے کو جھٹلاتے ہو۔ بیشک فرشتے نے جو بات مجھ سے کہی وہ سچ ہے مگر اب مجھے معلوم ہوا کہ تم اپنے کئے پر نادم اور تائب ہو۔ کیا تمہاری سازش کا راز آشکارا ہوگیا ہے" قیس وہاں سے نکل کر ہمارے پاس آیا اور اس نے کہا اے جشیش۔ اے فیروز۔ اے داذویہ الفارسی اسود نے یہ بات کہی ہے اور میں نے اس کا یہ جواب دیا۔ اب بتاؤ کیا کریں۔ ہم نے کہا ہم کو بہت زیادہ محتاط رہنا چاہیئے اور کوئی بات زبان سے نہ نکالنا چاہیئے۔ ہم اس خوف و ہراس کی حالت میں تھے۔ کہ اسود نے ہمیں طلب کیا اور کہا میں نے لوگوں کو تمہاری قوم پر شرف نہیں دیا۔ اور اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ میرے خلاف سازش کر رہے ہو۔ ہم نے کہا اس مرتبہ آپ ہمیں معاف کر دیں اسود نے کہا اچھا اب دوبارہ کوئی شکایت مجھ تک نہ آنے پائے۔

ورنہ میں معاف نہ کروں گا ۔

بہرحال اس طرح ہماری جان بچی ۔ حالانکہ ہم ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تھے ۔ مگر اب بھی وہ ہماری اور قیس کی طرف سے مشتبہ تھا۔ اور خود ہم اس کی طرف سے بہت خائف تھے ۔ اتنے میں ہمیں معلوم ہوا کہ ذی زود ۔ ذی مران ۔ ذی الکلاع اور ذی ظلیم مسلمانوں کو جمع کر کے اسود کے مقابلے پر جلد برآمد ہونے والے ہیں انہوں نے ہم سے مراسلت کی اور مدد کا وعدہ کیا ۔ ہم نے ان کو اس کا جواب لکھا اور خواہش کی کہ تاوقتیکہ ہم آخری تصفیہ کر کے اطلاع نہ دیں ۔ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں تاکہ یک جہتی سے حملہ کیا جائے۔ کیونکہ عامر بن شہر عامل یمن نے عجلت کی وجہ سے شکست کھائی تھی علاوہ ازیں رسول اللہ صلعم کے خط کے موصول ہونے کی وجہ سے اب ان کو اسود کے خلاف دفاعی تیاری کو اور دیگر ذرائع مثلاً ڈپلومیسی سیاسی ۔ حکمت عملی کو ملا کر مقابلہ کرنا چاہیئے ۔

اس طرح رسول ؐ نے نجران کے تمام باشندوں کو جن میں عرب اور غیر عرب سب ہی تھے ۔ اسود کے معاملے کے متعلق لکھا ۔ وہ اسود کے ساتھ شریک نہ ہوئے اپنے دین پر قائم رہے اور ایک جگہ سب اکھٹے ہو گئے ۔ اس کا اسود پر بڑا اثر ہوا اسے اپنا موت نظر آنے لگی ۔ مجھے ایک بات سوجھی ۔ میں اسود کی بیوی آزاد بنت نبوا الہمدانی کے پاس گیا میں نے اس سے کہا ۔ اے بہن

تم جانتی ہو کہ اس شخص (اسود) کی وجہ سے تمہاری قوم اور اسلام کو کیا مصیبت برداشت کرنا پڑی۔ اس نے تمہارے شوہر کو اس لئے قتل کیا۔ کہ تم سے زبردستی شادی کر لے۔ تمہارے قوم والوں کو قتل و غارت کیا۔ جو باقی بچے ان کی اہانت کی۔ اور تمہاری قوم کی عورتوں کی رسوائی کی۔ پھر اس کے خلاف ہمارا ساتھ دے سکتی ہو۔؟" آزاد بنت بنو الہمدانی نے کہا " ہاں کس بات میں۔؟ میں نے کہا اس کے اخراج میں۔ آزاد نے کہا " یا اس کے قتل میں؟" میں نے کہا اچھا قتل ہی سہی۔ آزاد نے کہا ہاں میں اس کے لئے آمادہ ہوں۔ بخدا اللہ کی تمام مخلوق میں سے سب سے زیادہ میں اسے برا سمجھتی ہوں۔ یہ نہ اللہ کے کسی حق کی حرمت کرتا ہے اور نہ کسی اللہ کی حرام کردہ شے سے اجتناب۔ جب تمہارا ارادہ پکا ہو جائے تو مجھے اطلاع دو۔ میں اس معاملہ کی تکمیل کی تدبیر کروں گا۔

آزاد سے مل کر میں باہر آیا۔ فیروز اور داذویہ میرے منتظر تھے اتنے میں قیس بھی وہاں آگیا۔ ہم اس کے لئے اٹھنا چاہتے تھے اور وہ ابھی ہمارے پاس بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ کسی خدمتگار نے قیس سے کہا اے عیہلا بن کعب بن غوث۔ آپ کو بادشاہ بلاتے ہیں۔ وہ سیدھا مذحج اور ہمدان کے دس آدمیوں کے ساتھ اسود جو اپنے تئیں اب بادشاہ کہلاتا تھا کے پاس چلا گیا۔ اس جماعت کی وجہ سے اسود اس وقت سے قتل نہ کر سکا۔ اسود نے قیس سے کہا اے عیہلہ بن کعب

بن غوث نے کہا۔ اے عیہلہ بن کعب بن غوث کیا اپنے ساتھیوں کی وجہ سے بچ سکتے ہو؟ تمہاری بد عہدی کے متعلق جو کچھ میں نے کہا تھا وہ بالکل سچ تھا۔ اور تم نے جو جواب دیا۔ وہ محض جھوٹ تھا۔ فرشتہ مجھ سے کہہ رہا تھا۔ قیس کے ہاتھ کاٹ دو ورنہ دیکھو وہ اس طرح سے تمہارا سر کاٹ ڈالے گا۔" قیس نے کہا "میرے لئے یہ بات ہرگز جائز نہیں ہے میں آپ کو جو اللہ کے رسول ہیں قتل کر دوں۔ آپ جو چاہیں میرے متعلق حکم دیں۔ آپ کو میرے متعلق جو شبہ ہے اس سے مجھے سخت بے اطمینانی ہے اس سے تو اس معاملے کا تصفیہ بہتر ہے اگر آپ مجھے قتل کر دیں تو موت کے ذریعے اس خوف سے نجات حاصل ہو جائیگی اور ایک روز کی موت روزانہ کی موتوں سے جس میں میں مبتلا ہوں۔ بہتر ہے"

قیس کی اس تقریر سے اسود کو قیس پر رحم آگیا۔ اور اس نے کہا جاؤ"، قیس ہمارے پاس آیا اپنی سرگذشت سنائی اور رازداری کی نصیحت کی اور کہا اب اپنے منصوبے پر عمل کرو۔

اسود نے تمام لوگوں کو میدان میں جمع ہونیکا حکم دیا۔ وہ صنعاء کے میدان میں جمع ہوئے۔ کچھ دیر بعد اسود بہت سے لوگوں کے ساتھ ہمارے سامنے برآمد ہوا۔ ہم سب اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس کے ساتھ شاہی بھالا تھا۔ اب اس نے شاہی گھوڑا طلب کر کے اسے بھالے سے زخمی کر کے چھوڑ دیا۔ وہ گھوڑا اسی حالت

میں معلوم کہ خون اس کے جسم سے بہہ رہا ہے۔ تمام شہر میں بھاگتا پھرا۔ اسی طرح سے اس نے جان دیدی۔ سواد نے ذبح کرنے کے جانور طلب کئے۔ اور ان کو ایک خط کے ادھر کھڑا کروا دیا۔ اگرچہ ان جانوروں کی گردنیں اور سر اس خط پر تھے مگر کوئی اس سے آگے نہ بڑھا۔ اسود میدان کے بیچ میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر ان کو ذبح کرنے کے لئے اپنا بھالہ لے کر آگے بڑھا۔ اس نے ان سو جانوروں کو کھڑے کھڑے ذبح کر دیا۔ اور وہ جانور خط کی اس سمت میں جدھر وہ کھڑے تھے گر پڑے اور پھر بھالہ ہاتھ میں لئے ہوئے وہ زمین پر سرنگوں ہو گیا۔ سر اٹھا کر اس نے کہا یہ فرشتہ (جو عوام کو نظر نہیں آ رہا تھا اور اس کی مراد اپنے تابع شیطان سے تھی) کہہ رہا ہے کہ ابن المکشوح مخالفوں میں سے ہے۔ اے اسود! تم اس کا داہنا ہاتھ اور داہنا پاؤں کاٹ دو۔

میں نے اس سے زیادہ ہولناک منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ ایسا متوحش دن مجھ پر گزرا تھا اس کے بعد اس نے پھر اسنبھال کر فیروز سے کہا کہو جو اطلاع مجھے تمہارے متعلق ملی ہے وہ سچ ہے میں چاہتا ہوں کہ تم کو بھی ذبح کر کے چیلوں اور کوؤں کی دعوت کر دوں؟ فیروز نے کہا در خبط ڈالا نے ہمارے یہاں شادی کی ہے اور انبار میں ہماری عزت افزائی کی۔ اگر ہم آپ کو نبی نہ مانتے تو کیوں آپ کا ساتھ دیتے اور اب تو ہماری دین و دنیا دونوں آپ کے ساتھ وابستہ ہیں ایسی حالت میں بھلا ہم کیونکر آپ کے خلاف کوئی سازش کر سکتے ہیں۔ ہمارے متعلق اس قسم کی چغلیوں کو آپ

ہرگز قبول نہ کریں۔ ہم سابق وفا کیش اور جانثار رہیں۔ اسود نے کہا اچھا ان جانوروں کو یہاں کے تمام لوگوں میں تقسیم کر دو۔ چونکہ تم سب سے واقف ہو۔ اس لئے یہ کام تم کرو۔

تمام اہل صنعا میرے پاس جمع ہو گئے۔ میں نے قبیلوں میں تو اونٹ اور خاندانوں میں بیل تقسیم کئے۔ اور بڑی برادری والوں کو کئی کئی جانور دیئے۔ اس طرح ہر سمت محلے کے لوگوں نے اپنا حصہ پا لیا۔ اور قیس اس کے مکان پر پہنچا دیا گیا۔ اس اثنا میں اسود اپنے ایک پاؤں پر کھڑا تھا اور فیروز کرارگ کھجاتے ہوئے اس کے پاس لا رہے تھے۔ اسود نے فیروز کو سنانے کے لئے جسے اس نے سن بھی لیا۔ کہا کہ کل صبح میں اسے اور اس کی جماعت کو قتل کر دونگا۔ کل اسے میرے پاس پیش کیا جائے۔ اب جو اسود نے مڑ کر دیکھا تو فیروز اس کے بالکل قریب آ چکا تھا۔ اسود نے کہا "چپ رہو" اور پھر جو فیروز نے اس کے خلاف جو کچھ کیا تھا۔ اس سے اسود نے فیروز کو اطلاع دی اور پھر کہا تم نے خوب کیا" اس کے بعد اسود گھر کے اندر چلا گیا۔ ہم نے قیس کو بلا بھیجا وہ آگیا۔ اب ہماری اس تمام جماعت کی رائے یہ ہوئی کہ میں پھر سواد کی بیوی کے پاس جاؤں۔ اپنے منصوبے سے اسے آگاہ کروں تاکہ پھر جو اس کا اس کے متعلق خیال ہو وہ ہمیں بتائے۔ آزاد بنت آزاد الہمدانی نے مجھ سے کہا کہ اسود بہت ہی چوکنا ہے اس نے اپنی حفاظت کا پورا بندوبست کر رکھا ہے۔ محل کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں پہرہ نہ ہو

البتہ صرف یہ گھر ایسا ہے کہ اس کی پشت عام کے فلاں فلاں مقام پر ہوتی ہے۔ لہٰذا جب رات ہو تم اس گھر کی دیوار میں نقب لگا کر اندر آجاؤ۔ کیونکہ یہاں پہرے دار نہ ہوں گے اور اسود کے قتل کرنے میں کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔ چراغ اور اسلحہ پہلے سے یہاں موجود رہیں گے۔

میں جب اسود کے محل سے نکلا۔ اسود سے جو اپنی کسی دوکان سے نکل رہا تھا میری مڈ بھیڑ ہوگئی اس نے مجھ سے ڈانٹ کر پوچھا۔ "تم یہاں کیسے آئے۔"؟ نیز اس نے میرے سر پر تھپڑ مارا چونکہ وہ بہت طاقت ور تھا۔ اس کی ضرب سے میں گر پڑا۔ مگر اسی بنت آزاد (اسود کی عورت) نے چیخ ماری۔ جس سے گھبراہٹ سے اس نے پیچھا چھوڑا۔ ورنہ وہ مجھے ختم کر دیتا۔ آزاد نے اسود سے کہا کہ۔

"یہ شخص میرا چچیرا بھائی ہے مجھے ملنا آیا تھا۔ تم نے اس کے ساتھ بدسلوکی کر کے میری توہین اور دل آزاری کی۔" اسود نے کہا۔ "اچھا خاموش رہو۔ تمہاری خاطر میں نے اُسے معاف کیا۔" اس طرح اسود کی بیوی نے مجھے اس کے پنجے سے چھڑایا۔ میں اپنے دوستوں کے پاس آیا۔ میں نے کہا بس بھاگ کر جان بچاؤ۔

ہم ابھی اس واقعہ پر غور کرتے ادھیڑ بن میں پریشان تھے کہ آزاد بنت بنو الہمدانی کا آدمی میرے پاس آیا اور اس نے

کہا۔ "ہرگز نہ بھاگ جانا اور اس کا پیچھا نہ چھوڑو۔ تمہارے چلے آنے کے بعد میں نے تاوقتیکہ اسود سے اطمینان حاصل نہیں کر لیا۔ اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اب وہ بالکل مطمئن ہو گیا ہے۔ لہٰذا اپنا کام کرو۔"

ہم نے فیروز سے کہا کہ اب تم آزاد بنت بنو ہمدانی کے پاس پھر جاؤ۔ اور اُسے اچھی طرح اس کام کے لئے پکا کر لو۔ میں نواب اسود کی ممانعت کے بعد دوبارہ محل میں جا نہیں سکتا۔

فیروز اس کام کے لئے گئے وہ مجھ سے کہیں زیادہ مضبوط سمجھدار بھی تھے۔ اسود کی بیوی نے ان کو اُس کے قتل کی راہ بتائی۔ انہوں نے کہا۔ مگر باہر سے پختہ دیواروں میں ہم کیسے نقب زنی کر سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ پہلے اندر سے نقب کے مقام کی دیوار کھود کر تیار کر لیں تاکہ پھر آسانی سے باہر سے نقب کی جا سکے۔ چنانچہ وہ دونوں حجرے کے اندر گئے اور وہاں انہوں نے دیوار کو اندر سے کھودا۔ اور پھر اُس کوٹھڑی کو بند کر آئے۔

اب فیروز اپنی بہن آزاد (اسود کی بیوی) کے پاس محض ایک ملنے والے کی حیثیت سے بیٹھ گئے۔ اتنے میں اسود وہاں آگیا۔ اُس نے اپنی بیوی کو اہانت آمیز پیرائے میں غیرت دلائی

کہ تم ایک غیر محرم کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہو۔

آزاد نے کہا کہ یہ اپنی قرابت دار اور دودھ میں شرکت کی وجہ سے میرے محرم ہیں۔

اسود نے فیروز کو ڈانٹا نکل جاؤ۔

فیروز نے ہم سے آکر ساری سرگذشت بیان کی ۔رات ہوئی۔ ہم نے اپنی تجویز پر عمل کیا۔ اس کے لئے ہم نے اپنے تمام متبعین کو پہلے سے تیار کر لیا تھا۔ مگر ہم اس معاملے کے متعلق ہمدانیوں اور حمیریوں سے بھی مراسلت کا انتظار نہیں کیا۔ اور اس گھر میں رات کو باہر سے نقب لگائی۔ اور اندر پہنچے۔ وہاں۔ ڈھکن کے نیچے چراغ روشن تھا۔

فیروز چونکہ ہم سب میں زیادہ بہادر اور قوی تھے۔ ہم نے ان کو آگے رکھا۔ اور خود ان کے پیچھے ہوئے اور کہا کہ اب جو تمہاری سمجھ میں آئے ویسا کرو۔ وہ آگے چلے۔ اسود شہ نشین میں تھا۔ اب ہم اس کے اور پہرے داروں کے درمیان ہو گئے۔ جب فیروز اس شہ نشین کے دروازے پر آئے۔ انھوں نے سنا کہ اسود بہت زور سے نیند میں بک رہا ہے اور خواب میں بڑبڑا رہا ہے۔ اور اس کی بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔

فیروز جب دروازے پر جاکر کھڑے ہوئے شیطان نے اسود کو جگا دیا اور اس کی زبان سے شیطان بولنے لگا۔ وہ ہم اپنے

بیٹھے بیٹھے بڑبڑانے لگا۔ اور یہ بھی کہا کہ

"فیروز تم یہاں کیسے۔" ؟

اس اندیشے سے کہ اگر فیروز پلٹ گئے تو وہ خود بھی مارے جائیں گے۔ اور وہ عورت (آزاد) بھی ماری جائے گی لہٰذا فیروز فوراً اس سے گتھ گئے۔ اسود اونٹ سا دراز قامت اور نہایت ہی طاقتور تھا۔

فیروز نے اس کے سر کو پکڑ کر اُسے قتل کر دیا۔ اس کی گردن کو کچل دیا اور پھر اپنا گھٹنا اُس کی پشت پر رکھ کر اُسے بھی اسی طرح کچلا کہ وہ تڑپ نہ سکے۔ اس سے فارغ ہو کر وہ باہر آنے کے لئے اٹھے۔ اسود کی بیوی نے چونکہ وہ اب تک اِس خیال میں تھی کہ فیروز نے اسود کو قتل نہیں کیا ہے۔ ان کا دامن پکڑ لیا۔ اور کہا میں تمہاری مخلص بہن ہوں مجھے کہاں چھوڑے جاتے ہو ؟"

فیروز نے کہا۔ "پریشان نہ ہو میں نے اس کا کام تمام کر کے ہمیشہ کے لئے اس کی جانب سے تم کو مطمئن کر دیا ہے۔ اب میں جاتا ہوں تاکہ اپنے رفیقوں کو اسود کے قتل کی اطلاع دیدوں۔

ہم سب اُس کا سر اتارنے لگے۔ مگر ہم نے اسود کے جسم کو حرکت کرتے دیکھا اور وہ بُری طرح سے تڑپ رہا تھا۔ کہ کوئی اسے قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے کہا۔ کہ سب اس کے سینے پر بیٹھ جاؤ۔ دو شخص اس کے سینے پر بیٹھ گئے اسود کی بیوی نے اس کے سر کے بال پکڑ لئے

اس کے حلقوم سے خرخراہٹ کی آواز آئی۔ میں نے اس کے منہ کے اندر کپڑا ٹھونس دیا۔ اور چھری سے اس کا گلا کاٹ ڈالا۔ اُس کے حلقوم سے ایسی شدید خرخراہٹ کی آواز سنائی دی۔ جیسے کسی بیل کو ذبح کرنے کے بعد اُس کے حلقوم سے آتی ہے میں نے ایسے زور کی خرخراہٹ کبھی اِس سے پہلے نہ سنی تھی۔

اس آواز پر وہ سپاہی جو شہ نشین کے گرد پہرے پر متعین تھے دوڑ کے آئے مگر اسود کی بیوی (آزاد) نے ان کو یہ کہکر خاموش کر دیا کہ

"نبی صاحب پر اس وقت وحی آ رہی ہے۔ یہ اس کی آواز ہے۔"

اسود ٹھنڈا ہو گیا تقریباً ساری رات ہم نے وہیں جاگ کر گذاری اور اب سوچنے لگے کہ یہاں ہمارے (فیروز۔ داذویہ اور قیس) کے سوا چوتھا آدمی نہیں ہے۔ کسی طرح سے اپنے آدمیوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی جائے۔ اب ہم سب وہاں سے نکل کر اپنے گھر آئے۔

وبر بن یحنس الازدی ہمارے پاس مقیم تھے۔ ہم صنعا کے قلعوں کے اُس برج پر جو سب سے بلند قلعہ کا تھا۔ اُس پر چڑھ گئے۔ وبر یحنس نے اذان دی پھر ہم سب نے اعلان کیا کہ اللہ نے جھوٹے مدعی اسود کو ہلاک کر دیا ہے۔

سب لوگ ہمارے پاس آئے۔ ہم نے اسود کا سر ان کے سامنے ڈال دیا۔ جب اسود کے ساتھیوں نے یہ رنگ دیکھا تو وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگنے کے لئے تیار ہوئے اور شرارتاً یہ کہا یہ لوگ (مشرکین) جن شرفاء کے ہاں مقیم تھے بھاگتے وقت انہیں کے بچوں کو اٹھا کر لے گئے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بچوں کو اپنے سامنے بٹھا کر بھاگے جا رہے ہیں۔ میں نے فوراً اپنے بھائی سے جو مجھ سے پیچھے شاہراہ میں اور لوگوں (مسلمانوں) کے ساتھ تھے کہا۔

"دیکھو ان میں سے جس جس پر قابو پاؤ فوراً روک لو۔ جانے نہ دو۔ کیونکہ یہ ہمارے بچوں کو اٹھا کر لے جا رہے ہیں"

میری نصیحت پر عمل ہوا اور ہم نے ان کے ستر آدمی روک لیے۔ اور وہ ہمارے صرف تیس لڑکوں کو لے جا سکے۔

شہر سے دور جا کر جب انہوں نے اپنا جائزہ لیا تو ستر آدمی کم پائے۔ وہ پھر ہمارے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے آدمی چھوڑ دیجئے۔

ہم نے کہا کہ۔ پہلے تم ہمارے بچوں کو چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے بچے واپس بھیج دیئے۔ اور ہم نے ان کے ساتھی ان کے حوالے کر دیئے۔

اسی اثنا میں رسول اللہ صلعم نے صحابہ کو بشارت دی کہ اللہ نے اسود الکذاب العنسی کو ہلاک کر دیا۔ اسے تمہارے ایک سچے دیندار بھائی نے قتل کیا ہے۔

ابوبکرؓ نے ربیع الاول کے آخری حصہ میں اُسامہ کی مہم روانہ کی اور اسی زمانہ میں اُن کو اسود کے قتل کی اطلاع ملی۔ یہ پہلی بشارت تھی کہ جو ابوبکرؓ کو مدینہ میں ملی۔

اسود کے قتل کے بعد اہل یمن اور گرد و نواح کا علاقہ جسے اسود نے فتح کیا تھا۔ پھر امن و امان میں زندگی بسر کرنے لگے اور اسلام کا غلبہ ہوا۔ اور وہی حالت عود کر آئی جو اسود کے یمن میں آنے سے پہلے تھی۔ تمام امیر توبہ کرنے کے بعد ایمان لے آئے اور تمام لوگوں نے رجعت کی اور اپنی غلطی کا احساس و اعتراف کیا کیونکہ اسلام لائے انھیں بہت تھوڑا زمانہ گذرا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں یہ رواج عام تھا۔ کہ مفتوح سردار کی بیوی سے فاتح سالار شادی کر لیتا تھا۔ مگر آزاد بنت ہنو ہمدانی تو خوبصورتی سیرت اور علم و فضل میں مشہور تھی۔ آزاد نے یہی مناسب سمجھا کہ آنحضرت صلعم کے ارشاد پر عمل کیا جائے یعنی ہر مسلمان اسود کے مقابلے کے لئے حیلہ و تدبیر سے کام لیں۔ خصوصاً اسلئے کہ تجربہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ اسود کے خلاف میدان جنگ میں

کامیاب ہونا بہت ہی دشوار تھا۔

اس مجاہدہ نے وہ کام کیا جو وہ افواج جو مسلمان عجلت میں جمع کر سکے تھے۔ میدان جنگ میں ناکام رہی تھیں۔ اسود نے بیرونی طاقتور حکومتوں کی مدد سے شیوخ کو سونے سے خرید لیا تھا۔ اس نے ان کے اسلحہ اور روپے سے زبردست فوج جمع کر لی تھی۔ چونکہ اس کے پاس شہسوار بھی اور شتر سوار تھے۔ لہذا وہ برق رفتار سے جو اس کے سامنے آیا اُسے روندتا ہوا چلا گیا۔

اس نے میدان جنگ میں مجاہدوں کو شکست فاش دی۔ مسلم سالار شہید ہوئے مگر اسود اسلامی جذبہ جہاد پر فتح حاصل کی کر سکا۔ یہ اُس دبی ہوئی آگ کی طرح سے تھا جو موافق ہوا کے جھونکے کی منتظر تھی۔ جیسے ہی اُسے وہ جھونکا ملا۔ وہ ایسی بھڑکی کہ سب مخالفت کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اس واقعے نے ثابت کر دیا کہ اگر مجاہدین کو صحیح قیادت نصیب ہو جائے چاہے وہ قائد مرد ہو یا عورت فتح ان کے قدم چومتی ہے۔

بنت بنو الہمدانی نے جس عزم۔ روشن خیالی۔ استقلال اور دفاعی سیاست کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس نے قیادت ہاتھ میں لیکر نہایت منصوبہ بنایا۔ جبر و تشدد

طاقت کے مقابلے ہیں " حیلہ و تدبیر" سے کا کام نکالا۔ اور نہ اس نے خود رہائی پائی بلکہ ہزار ہا مسلمانوں اور ان کی خواتین کو نجات دلائی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالے کی مہربانی و فضل و کرم سے ہوا۔ یہ ہے وہ مثال جو میری بہنوں اور بیٹیوں کے لئے مشعل بننی چاہیے"۔

ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ہم آج کل نہایت ہی مشکل دور میں سے گذر رہے ہیں۔ اسمیں مسلم اور مسلمہ کا سو فیصدی تعاون اشد ضروری ہے۔ یہ حدیث نبوی ہے اس پر کاربند رہنا ہمارا فرض اوّلین ہے۔

باب ۱

خلاصہ

اسلام توحید کا عنوان ہے جیسا کہ قرآن مجید کے ملاحظہ سے عیاں ہوتا ہے۔ اور صدر اسلام میں خلفا اور امراء اسلام کا کوئی خطبہ اس وحدۃ کی جانب اشارہ کرنے اور مسلمانوں کو اس جدائی اور بیگانگی کے یاد دلانے سے خالی نہیں ملتا جس پر ان کے باپ دادا زمانہ جاہلیت میں عامل تھے اور ساتھ ہی وہ خطبے اور مفید امور سے بھرے ہوئے ملتے ہیں جن کی جانب اسلام نے لوگوں کو بلاکر انھیں باہمی تعصب کے ترک اور یکدل رہنے کی تاکید کی ہے پانچ مرتبہ ایک دن میں امام یا اس کے نائب کے پیچھے جمع ہونے کی تاکید نے ان کے اس اتفاق کو اور مضبوط کر دیا ہے۔ اس امر میں اتحاد تعلقات کے قوت پانے اور اطاعت پر یکدل ہونے کا جو فائدہ ہے۔ وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں رہ سکتا۔

مورخ بلاذری نے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ ہونے سے پہلے جب ابوسفیان مسلمانوں کے پاس مدینہ میں آئے اور اسوقت

تک مسلمان نہ ہوئے تھے تو انھوں نے مسلمانوں کو نماز میں کھڑے دیکھا۔ جب نبی صلعم رکوع کرتے تو وہ سب جھک جاتے اور جس وقت سجدہ کرتے۔ سب سجدہ میں آجاتے۔ ابوسفیان نے یہ حالت دیکھ کر کہا۔ "خدا جانتا ہے کہ میں نے آج کی طرح کبھی کسی ایسی قوم کی فرمانبرداری نہیں دیکھی۔ جو ادھر ادھر سے آکر جمع ہو گئی ہو اور نہ معزز فارسیوں اور پر ہیبت رومیوں میں ایسی اطاعت گذاری کا نمونہ دیکھا ہے۔" اس کے بعد ام حبیبہؓ سے لے کر حضرت فاطمہ رضؓ تک جن جن سے وہ ملا۔ ان کو نہایت ہی فرمانبردار اور ہم خیال پایا۔

باقی رہا یہ امر کہ دعوت اسلام راستی کیونکر مانتے تھے اور ان کا یہ خیال کس طرح تھا، کیونکہ جو کچھ وہ کرتے ہیں دنیا کے لئے نہیں بلکہ آخرت کے لئے۔ مثلاً صفیہ رضؓ بنت عبدالمطلب کا اپنے بھائی حمزہ رضؓ کے شہید ہونے پر صبر و ضبط یا بنی دینار کی اس خاتون کا جذبہ جس کا شوہر، بھائی اور باپ شہید ہو گئے تھے یہ فرمایا کہ آپ کی موجودگی میں ہر مصیبت بے حقیقت ہے۔" نہایت ہی شاندار حدیث اور سنہری روایات ہیں۔ اسی طرح سے مغیرہؓ بن شعبہ کا جواب جب کہ فارس کے سپہ سالار رستم نے قادسیہ کی جنگ میں ان سے کہا تھا کہ "بیشک تم اپنی مطلوب شئے کی کوشش میں بے وجہ جانیں دیتے ہو۔" مغیرہؓ نے کہا۔ ہم میں

سے جو قتل ہوتا ہے وہ جنت میں جائے گا اور تم میں سے جو مرے گا وہ جہنم داصل ہوگا۔ اس کے بعد جو لوگ ہم میں سے باقی رہ جائیں گے وہ تمہارے باقیماندہ لوگوں پر فتح پائیں گے"۔ (تمدن عرب)

عبادہ رض ابن الصّامت کی وہ گفتگو جو مقوس مصر (وائسرائے) سے ہوئی تھی جبکہ مقوس نے انھیں رومی فوجی طاقت کا خوف دلا کر ان سے کہا تھا "کہ تم کبھی ان کا مقابلہ نہ کر سکو گے"۔ اس کے جواب میں عبادہ رض نے کہا۔ "اے شخص تو اور تیرے ساتھی ہرگز اپنے دل میں گھمنڈ نہ کریں۔ تو جو ہمیں رومیوں کی جماعت اور کثرت سے دھمکاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم ان پر فتح نہ پائیں گے۔ میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بات ہم کو ڈرانے والی نہیں ہے اور نہ ہمارے مصمم ارادہ کو توڑ سکتی ہے جس پر ہم کربستہ ہیں اور اگر تم سچ کہہ رہے ہو کہ واللہ ان سے جنگ کرنے میں جو چیز ہم کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہے وہ یہی ہے اور اب ہماری حرص ان پر بہت زیادہ ہو گئی ہے کیونکہ یہ صورت ہمارے واسطے ہمارے خدا تعالیٰ کے روبرو بہت بڑی عذر خواہی کی وجہ ہو سکتی ہے جب کہ ہم اس کے حضور میں حاضر کیئے جائیں گے۔ اگر ہم ایک سرے سے قتل کر ڈالے جائیں تو بلا خدشہ اس خالق عالم کی رضامندی حاصل کر کے اس کی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اس سے بڑھ کر تو ہم کو کوئی چیز پسند اور مرغوب ہی نہیں ہے بحالت موجودہ تمہارے ساتھ ہمارا تعلق ایسا ہے جس کا نتیجہ ہمارے لئے دو میں سے ایک بہتر

ضرور ہوگا۔ یعنی اگر ہم نے تم پر فتح پائی تو عظیم الشان دنیاوی غنیمت ہمارے ہاتھ آئے گی اور اگر تم نے ہم پر غلبہ پالیا تو ہم غنیمت آخرت سے بہرہ یاب ہوں گے اور خوب سمجھ رکھو کہ ہماری طرف سے اجتہاد (کوشش) ہو چکنے کے بعد جو بات ان دونوں سے ہم کو زیادہ مرغوب ہے وہ یہی آخری امر ہے اور خدائے پاک و بے نیاز نے ہم سے اپنی کتاب میں یوں خطاب فرمایا ہے" کم من فئۃ ... ... الصابرین" یعنی کتنی ہی دفعہ گروہ قلیل بحکم خدا گروہ کثیر پر غالب آجاتا ہے اور اللہ صبر والوں کا ساتھی ہے" ہمارے گروہ میں ہر شخص صبح و شام اپنے پروردگار کے روبرو بالحاج تمام یہی دعا مانگا کرتا ہے کہ "بار خدایا مجھے شہادت نصیب فرما۔ اپنے ملک و وطن اور بال بچوں کی طرف زندہ واپس نہ لے جا" اور ہم میں سے کسی کو اپنے پسماندوں کا غم نہیں ہے بلکہ ہر شخص نے اپنے بال بچوں اور مال و متاع کو اپنے خدا کے سپرد کر رکھا ہے البتہ ہم کو فکر ہے تو اس بات کی جو اب ہمارے سامنے ہے (یعنی کفار سے جنگ) باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ ہم لوگ بسر اوقات کے سامان میں تنگدست اور بے برگ و ساز ہیں۔ تو یہ خیال اپنے دل سے دور کر دو کیونکہ ہم بحد فراغت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایسے خوشحال ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اگر ساری دنیا بھی ہماری ملک ہو جائے گی تو ہم اپنی ذات خاص کے لئے کبھی اس سے زائد نہ چاہیں گے جتنا کہ اب

ہمارے پاس ہے۔

خواتین اسلام کا جذبہ جہاد کسی طرح مسلم مردوں سے کم نہ تھا۔ حضرت عائشہ کا اکیلا زخمیوں کی دیکھ بھال میں پرخطر محاذِ جنگ پر جانا دین ایسے مقام پہ جہاں آپ کو دیکھ کر حضرت عمرؓ پریشان ہو گئے تھے اسی طرح سے ام حبیبہ کا ایک جنگجو اور تنومند یہودی پر حملہ کر کے اسے ختم کر دینا شجاعت اور جوانمردی کی بہترین مثال ہے۔ یہ خواتین اسلام کئی کئی دن تک بھوک اور پیاس کی متحمل رہتی تھیں جیسی، جفاکشی، اور کم سے کم سامان رکھنا ان کا شعار تھا۔ وہ راضی برضا تھیں۔ مال و دولت ان کی نظروں میں ہیچ تھا۔

یہ یاد رہے کہ مجاہدین اسلام کی فوجی تشکیل حضرت محمد صلعم نے آج سے چودہ سو برس پہلے دی تھی اور مجاہدین کی تنظیم و فنِ حرب کے لئے تربیت اور مہارت، قرآن مجید کے احکام کے بنیادی اصولوں کے مطابق دی جسے ہم حدیث دفاع کہتے ہیں۔ مجاہدین اور قیصر و کسریٰ کی افواج میں ایک نمایاں فرق یہ تھا کہ رومی اور ایرانی بادشاہت کے لئے جنگ لڑا کرتے تھے مگر مجاہدین نے صرف اللہ کی راہ میں لڑنا اپنا فرض قرار دے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ امن کے برقرار رکھنے کے لئے لڑو اور ان لوگوں کی حمایت کے لئے جن کو ان کے وطن اور گھروں سے نکال دیا گیا ہے فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے جنگ کرو کیونکہ شر و فساد بذاتِ خود جارحانہ جنگ کا باعث ہوتا ہے

اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسکی خوشنودی کے لئے اس وقت تک لڑو جب تک کہ فتنہ و فساد ختم نہ ہو جائے۔ بذاتِ خود جارحانہ کاروائی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ غارت گروں کو پسند نہیں کرتا ہے۔"

حضرت محمد صلعم بچپن سے صلح کن، سچ بولنے والے اور دیانتدار مشہور تھے۔ اسی لئے آپ کو امین کا لقب لوگوں نے دیا تھا مگر مکہ کے عوام ۹۵ فیصدی ظالم، جاہل اور خود غرض تھے لہذا ایسے لوگوں کو سیدھے راستے پر لانا آسان کام نہ تھا۔ آپ نے ان کو فیصلہ کرنے اور اپنے وعدہ پر قائم رہنے کی تلقین کی تاکہ وہ لوگ ایک دفعہ اسلام لانے کے بعد تمام مصائب، مشکلات اور دشواریوں کو ہنسی خوشی سہہ کر بت پرستوں پر اپنے عزم کو آشکار کر سکیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرت صلعم اور ان کے اصحابؓ پر بےشمار سختیاں کی گئیں، ظلم ڈھائے گئے۔ حتیٰ کہ ان سے لین دین اور دوسرے مراسم قطع کر دیئے گئے آخر کار ان کے کھانے اور پینے کے لئے پانی لے جانا بند کر دیا مگر پھر بھی بقول مشہور و معروف مغربی مورخ لین پول فرماتے ہیں کہ جہاں لاکھوں عیسائیوں نے اسلام قبول کیا مگر شاید ہی چند سینکڑہ مسلمانوں نے دوبارہ عیسائیت قبول کی۔" لین پول آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "بہت سے مورخین نے یہ لکھا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اس کا ناقابلِ تردید جواب یہ ہے کہ حضرت پہلے تو عوام کے دلوں کو مسخر کیجئے پھر آپ ان کو اشاعتِ اسلام

کے لئے فی سبیل اللہ جانیں قربان کرنے پر راضی کرسکتے ہیں۔" یہ مسلمانوں کے استقلال، عزم اور ثابت قدمی کا نتیجہ ہے کہ اسلام برابر روز افزوں ترقی کرتا جارہا ہے۔

حضرت محمد صلعم نے یثرب پہنچ کر سب سے پہلے یثرب کا نام مدینہ رکھا اور فوراً مسجد تعمیر کی تاکہ مسلمانوں کو یکجا ہونے اور نماز قائم کرنے کے لئے آسانی ہوجائے اس کے ساتھ ساتھ آپ نے مدینہ شہر کی حدود قائم کرکے اسے "حرم" کا ہی درجہ دیا جوکہ ان ایام میں مکہ شہر کو حاصل تھا۔ حرم کی وجہ سے کوئی دوسرے شہر کا باشندہ مدینہ کے نظم میں دخل اندازی نہ کرسکتا تھا اور اگر مکہ والے کوئی جرم کرتے تو مدینہ والوں کو مکہ والوں سے باداش اور عوضانہ لینے کا اب حق تھا۔

آپ نے مدینہ میں مسلمان، یہود اور نصاریٰ کے قوانین نافذ کیئے اور مسلمانوں کو فوجی تربیت دینی شروع کی۔ ان کو جتھوں میں تقسیم کیا اور ان جتھوں کے سالار قابلیت کی بنا پر مقرر کیئے گئے۔ مثلاً مجاہدین کا پہلا دستہ حضرت صلعم نے شام میں رومیوں کے خلاف روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت آپ نے زیدرضؓ بن حارث کے سپرد فرمائی۔ زیدرضؓ بن حارث آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ لشکر کی روانگی کے وقت آپ نے فرمایا کہ اگر زیدرضؓ میدانِ جنگ میں شہید ہوجائیں تو ان کی جگہ جعفرؓ بن ابی طالب امیر ہوں جعفرؓ

آنحضرت صلعم کے چچازاد بھائی تھے۔ اگر جعفرؓ کام آجائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ سردار ہوں۔ ان تین ہزار مجاہدین کا مقابلہ روما کے ایک لاکھ لشکر سے ہوا اور اس جنگ میں زیدؓ، جعفرؓ اور عبداللہؓ شہید ہوئے تو مجاہدین کی اتفاق رائے سے عین لڑائی لڑتے ہوئے مجاہدین نے خالدؓ بن ولید کو امیر لشکر چنا۔ اس جنگ میں بحیثیت سالار نمایاں کارگذاری پر آنحضرت صلعم نے "خالدؓ بن ولید" کو "شمشیر اسلام" کا خطاب عطا فرمایا۔

خالدؓ نے آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد عرب میں فتنہ وفساد کو دبانے اور ملک کو ایرانی لشکر سے پاک کرنے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے شام کے محاذ پر بطور امیر اس لئے بھیجا کہ وہاں کے حالات جنگ تسلی بخش نہ تھے۔ اس لشکر کے امیر حضرت عبیدہؓ تھے جو "امین ملت" کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور آنحضرت صلعم کے ساتھ غزوہ بدر، خندق اور صلح نامہ حدیبیہ میں تھے۔ علاوہ ازیں علم آپ بزرگی اور آنحضرت صلعم کی قربت کی وجہ سے بہت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مگر ضروریات جنگ کی بنا پر آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے خالدؓ کو اپنا امیر تسلیم کیا اور دل وجان سے ان کی ہر طرح سے مدد کی۔

خالدؓ نے رومیوں کو ہر میدان جنگ میں شکست پر شکست دی اور آخرکار یرموک کے میدان میں رومیوں کو فیصلہ کن شکست دی۔

مگر دمشق کی فتح کے بعد خالدؓ نے روما کے گورنر توما جو کہ قیصر روما ہرقل کا داماد بھی تھا، اس کی چالاکی اور دھوکہ کی وجہ سے اسے سزا دینے کی ٹھانی اور مجاہدین کے دستے کو سخت خطرے میں ڈال کر جرنل توما کے لشکر پر غارت گری کر کے جرنل توما کو قتل کر دیا۔ اس سزا پر حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو معزول کر دیا اور معزولی کا حکم برسر عام حضرت بلال رضؓ جو کہ آزاد کردہ حبشی غلام تھے ان کے ہاتھ پہنچایا۔ مگر خالدؓ نے جب کچھ مجاہدوں کو اس پر غمگین و بےچین دیکھا تو آپ نے فرمایا ـــ "خالد میں مجاہد ہوں۔ میں جاہ و جلال یا عہدہ کی فکر نہیں کرتا۔ امیر المومنین کے حکم کو میں خوشی سے مانتا ہوں اور مرتے دم تک مجاہد کی طرح سے لڑتا رہوں گا۔ تم لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے رہو۔ نفس کے شر سے بچو۔ جاہ و جلال کے پیچھے نہ بھاگو بلکہ اسے اپنے پیچھے بھاگنے دو۔"

فرانسیسی مورخ ریمنڈ نے لکھا ہے کہ "محمد صلعم نے اس بات پر اکتفا نہ کیا کہ مجاہدین کی فوج فن حرب میں بہترین قسم کی ہو بلکہ حضرت محمد صلعم کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اسلامی فوج اللہ کی فوج کہلانے کے قابل بنے تاکہ وہ صحیح معنوں میں اللہ کی راہ میں اپنے فرائض ثابت قدمی سے انجام دے سکے۔ چنانچہ محمد صلعم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ـــ"

لفظ ایمانداری کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ قرآن مجید میں

اس کے متعلق بہت سی آیات درج ہیں حضرت محمد صلعم کی زندگی جو ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔اس کو لیجئے۔آپ کو اسلام قبول کرنے سے قبل بچپن سے لوگ امین کے لقب سے پکارتے تھے کیونکہ آپ کا طور، طریقہ، بات چیت، عمل دیانتداری سے بھرپور تھا۔

سنہ ۶۰۰ عیسوی میں مکہ میں شدید بارش کی وجہ سے خانہ کعبہ کی بنیادیں پھٹ گئیں۔سب قبیلوں نے خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کا کام فوراً شروع کر دیا مگر جب حجرِ اسود کو ہٹانے اور ہٹا کر اس کی پہلی جگہ پھر سے رکھنے کے سوال پر جھگڑا بہت بڑھ گیا اور قبائل لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے تو آخر یہ طے پایا کہ ایک ایسے آدمی کو ثالث چن لیا جائے جو ایماندار ہو۔یہ چناؤ آنحضرت صلعم پر ہوا۔آپ نے اس جھگڑے کو اس خوش اسلوبی سے ختم کیا کہ جھگڑا ختم ہو گیا۔

اس واقعہ کے چند ہی برس بعد جب آپؐ کو اشاعتِ اسلام کی وحی ۶۱۰ عیسوی میں ہوئی تو آپ نے اشاعتِ اسلام کا تبلیغی کام شروع کیا تو آپ کی ہر طرف سے شدید مخالفت ہونے لگی اور آپ کو بہت ہی برا بھلا کہا اور قتل کرنے کا بھی منصوبہ تیار کر لیا مگر آپ کی ایمانداری پر سب کو اس قدر یقین تھا کہ لوگ اپنا قیمتی سامان تجارت پر جاتے وقت آنحضرت صلعم کے پاس بطور امانت چھوڑ جاتے۔جب ۲۹ جون ۶۲۲ عیسوی کی شب کو وحی سے اجازت ملنے پر یثرب کی ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا تو روانگی سے قبل آپؐ نے ہر امانت کو حضرت علی رضؓ کے سپرد کیا

تاکہ آپ کی روانگی کے بعد ان کے مالکان کو لوٹا دیں تاکہ اس طرح سے آپ کی ہجرت کا مہینہ وقت صیغہ راز میں رہے۔

مشرقی اور مغربی مورخین نے یک زبان ہو کر لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم پہلے سپہ سالار تھے جنہوں نے اپنے سپاہیوں کو جنگ پہ جانے سے قبل یہ نصیحت فرمائی کہ "زراعت کو تباہ نہ کرنا، درختوں کو نہ کاٹنا، وعدہ خلافی مت کرنا، وغیرہ۔" مغربی مورخ ریمنڈ نے لکھا ہے کہ یہ وہ پندرہ احکامات ہیں جو مسیحی ساتویں صدی تک دنیا بھر میں کسی سے نہ سنے تھے اور یہ وہ نصائح ہیں جو مدینہ کی مساجد اور گھرانوں کے صحنوں میں بار بار دہرائے جاتے تھے۔

جب شام میں اجنادین کی فتح کے بعد دمشق پہلی بار مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا تو دمشق کے عوام نے چونکہ اسلام قبول نہ کیا لیکن فدیہ دینا قبول کیا۔ روما کے قیصر ہرقل کو دمشق کے قلعے اور تجارتی شہر کے ہاتھ سے نکل جانے کا بہت رنج ہوا۔ لہٰذا اس نے بہت ہی بڑے پیمانے پہ جوابی حملہ کرنے کی ٹھان لی تو امیر لشکر نے بجائے دمشق کے میدان میں جنگ لڑنے کے دریائے یرموک کی وادی میں رومیوں سے لڑنے کی ٹھان لی۔ دمشق چھوڑنے سے قبل اسلامی لشکر کے امیر نے دمشق کے معززین کو جمع کر کے ان کا فدیہ یہ کہہ کر واپس کیا کہ "یہ رقم آپ نے ہمیں اپنی حفاظت کے عوض میں دی تھی۔ چونکہ ہم اپنے تئیں اب اس کا اہل نہیں سمجھتے لہٰذا یہ رقم واپس کرتے ہیں۔"

اہلِ دمشق پر اسلامی لشکریوں کی ایمانداری نے بہت گہرا اثر کیا اور جب دوسری بار مسلمان یرموک کی فتح کے بعد دمشق واپس لوٹے تو عیسائی اور یہودی عوام نے دمشق قلعے کے دروازے یہ کہہ کر کھول دیئے کہ ہم ایماندار اور راست گو دشمن کو اپنے ہم مذہب حجھوٹے اور ظالم حکمران پر ترجیح دیتے ہیں۔"

جذبہ انسانی لاانتہا قسموں پر منحصر ہوا کرتا ہے مثلاً کسی کا جذبہ اور خواہش ہوتی ہے کہ وہ جائز و ناجائز طریقے سے دنیا میں سب سے بڑا دولت مند بنے۔ کسی کو خواہش عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے کی ہوتی ہے۔ کوئی اولاد کی کثرت کا خواہاں ہوتا ہے تو کوئی مطلق العنان حاکم بننا چاہتا ہے۔ کوئی حسن کا طالب ہے تو کوئی شہرت۔ وغیرہ کا مگر اسلامی جذبہ یہ ہے کہ ہر انسان جو اپنے آپ کو مسلمان کہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے۔ اس کا ہر کام اللہ کی راہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے امن چاہتا ہے اور اسلام کے معنی بھی امن کے ہیں یعنی دوسرے الفاظ میں مسلمان شر و فساد سے نفرت کرتا ہے اور بدی کو روکتا ہے اور اس کی مخالفت کرتا ہے اور اگر مجبوراً امن کے بچاؤ کے لئے جنگ کرنا بھی پڑے تو جنگ کو کم از کم ایذا رساں بنائے۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ جارحانہ جنگ کرنے سے گریز کرو اور اگر جنگ کرتے کرتے دشمن صلح اور امن کی درخواست کرے تو اسے رد نہ کرو۔ یعنی اس خیال سے کہ کہیں دشمن صلح کی

درخواست اس لئے کر رہا ہے کیونکہ جنگ میں اس وقت ہمارا پلہ بھاری ہے اور دشمن مزید تیاری کے لئے اور وقت چاہتا ہے قرآن فرماتا ہے کہ دشمن کے اس قسم کے شر و فساد کے خیالات کے نتائج اللہ پر چھوڑ دو، وہاں اپنا حفظ ماتقدم قائم کرو۔ وہ حکیم اور دانا ہے وہ ہر بات کو جانتا ہے۔

ہر وقت نیکی کے لئے جہد اور بدی کو روکنے کو جہاد کہتے ہیں اور جہاد ہر مسلم اور ہر مسلمہ پر فرض ہے۔ ہاں اس زمرہ میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جہاں جذبہ جہاد شر و فساد سے ہر مسلم و مسلمہ کو روکتا ہے۔ وہاں پر اسلام اہنسہ کو منع کرتا ہے اور قرآن مجید فرماتا ہے کہ شر و فساد کا مقابلہ اس وقت تک سختی سے کرو جب تک شر و فساد ختم نہ ہو جائے بلکہ یہ حکم ہے ہر وقت مدافعانہ جنگ کی مناسب تیاریاں کرو تاکہ ان کو دیکھ کر شر پھیلانے والوں کی ہمت پست ہو جائے۔ اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو فتح مکہ کے وقت درہ کے تنگ راستے پر بٹھنے کا مشورہ دیا کہ وہ اسلامی لشکر کی تیاری دیکھ کر مقابلے کا ارادہ ترک کر دے اور ہوا بھی ایسا ہی ——— یہ آج کل DETERRENT کے نام سے پکارا جاتا ہے یعنی اگر شر و فساد پھیلانے والے باز نہ آئیں گے تو انہیں اینٹ کے جواب میں پتھر ملے گا۔

اسلامی جذبہ کے تحت مسلم دوسرے مذاہب کو برا بھلا

کہنے سے منع کرتا ہے اور کسی غیر مسلم کو جبراً یا لالچ سے مسلم بنانے کو منع کرتا ہے۔ اس بیان سے یہ مراد نہیں کہ مسلمان ہر مذہب کو صحیح اور سچا مان لے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلام کے اصولوں کو ہر مسلمان کو صلاحیت، بردباری، دھیمی آواز اور صلح آشتی مدلل اور الفاظ سے بیان کرنا چاہیئے تاکہ آپ کے طرزِ عمل سے غیر مسلم مرعوب ہو کر بخوشی اسلام قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیؐ کو بہترین امت کے لقب سے پکارا ہے تاکہ وہ شر کو روکے۔ نیکی اور امن کا موجب بنے۔ اس میں گورے، کالے، عربی عجمی وغیرہ سب برابر ہیں۔ قومیں اور قبیلے محض ایک دوسرے سے پہچاننے کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ افضل انسان وہ ہے جس کے اعمال بہترین ہوں اس میں جاہ وجلال، دولت ونسب کو کچھ فوقیت نہیں دی گئی ہے

اسلام نے جہاں اعتدال اور تحمل وبردباری کی ہر مسلم و مسلمہ کو تاکید کی ہے وہاں پر حیوانی جذبات، کینہ پروری، انتقام سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ اگر کوئی آپ پر زیادتی کرے یا ظلم ڈھائے تو تم اسی حد تک اس سے بدلہ لے سکتے ہو جتنا اس نے تم کو ایذا پہنچائی لیکن اس صورت میں کہ آپ اس کے جرم کو معاف کر دیں تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو دے گا اور اگر بدی کے بدلے میں آپ اس کی بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں تو اس کا عوض اللہ تعالیٰ آپ کو ہزار گنا

دے گا لہٰذا ہر مسلم اور مسلمہ کا فرض اولین ہے کہ جہاں بھی بدی نفس پرستی اور غصب دیکھے اسے رد کرنے کی انتہائی کوشش کرے اور جہاں بھی نیکی کرنے کی جا ہو اسے حاصل کرے۔

شجاعت کی ترجمانی۔ماحول، رسم ورواج یا مذہبی اصولوں کی بناء پر ہوتی ہے مثلاً جب ہم تاریخ ہند کے اوراق دوہراتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ فلاں ہندو راجپوت راجہ کی فوج جب قلعہ بند ہو کر معذور ہو جاتی یا ان کا راجہ مارا جاتا تو تمام قلعے کی عورتیں ستی ہوتیں یعنی اپنے آپ کو زندہ جلا دیتیں۔ اس کے بعد تمام سپاہی اور سالار قلعہ کا دروازہ کھول کر دشمن کا مقابلہ کرتے اور اس طرح سے لڑتے لڑتے اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ خالدؓ بن ولید نے یہ صحیح اندازہ لگایا تھا کہ جب ایران یا روما کے لشکر کا سالار اعظم، (کمانڈر انچیف) مارا جاتا تو فوج ہتھیار ڈال دیتی۔ چنانچہ خالدؓ جب بھی ممکن ہوتا چند جوانوں (مجاہدوں) کے ساتھ حملہ کر کے سالار اعظم کو قتل کر دیتے یا اسے فرار ہونے پر مجبور کرتے اور اسی طرح سے ان دشمنانِ اسلام کی فوجیں جو مجاہدین کی فوج سے کئی گنا زیادہ ہوتیں مگر سالارِ اعظم کے غائب ہوتے ہی ان کے پاؤں اکھڑ جاتے۔ مگر اسلامی جذبے کے تحت اگر ایک امیر (کمانڈر انچیف) شہید ہو جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا اور اگر حالات سخت مخالف ہو جاتے جیسا کہ آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کے لئے مکہ میں ہو گئے تھے تو آپؐ

نے ہجرت کی اور شام میں دوبارہ امیر لشکر دمشق سے ہٹ کر ایکبار
اجنادین میں آکر اور دوسری بار یرموک کے میدان میں رومیوں کو
شکست فاش دی۔ بالفاظ دیگر اسلامی نظریہ میں منصوبہ کے مطابق
مخالف حالات میں پیچھے ہٹنا اور پھر ثابت قدمی سے لڑنا شکست
یا پسپائی تسلیم کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اسلامی تاریخ ایسی
مثالوں سے بھرپور ہے۔ مثلاً جب یرموک میں رومی لشکر جو اسلامی
لشکر سے کہیں زیادہ تعداد اور سامان حرب میں بہتر تھا پیچھے ہٹنے
پر مجبور ہوا تو خالدؓ فوج ہٹتے ہٹتے اس مورچہ تک آ پہنچی جہاں خواتین
اسلام نے اپنے بچاؤ کے لئے مورچہ بنا لیا تھا۔ ایسی حالت میں
دوسری فوجیں ہتھیار ڈال دیتیں۔ مگر ان مسلم خواتین نے دشمن پر
اس قدر مہلک تیر اندازی کی کہ روما کا لشکر اس اچانک جوابی حملے
اور عزم سے پریشان ہو گیا۔ عین اس حالت میں خالدؓ نے رومیوں
پر جوابی حملہ کر کے اس کو فیصلہ کن شکست فاش دی۔ بالفاظ دیگر
اسلام کے اصولوں نے شجاعت، دلیری، عزم وغیرہ کا حلیہ ہی بدل
دیا۔ خواتین اسلام اپنے مردوں کے شانہ بشانہ لڑتی تھیں اور چونکہ
اسلام نے خودکشی حرام قرار دے دی تھی لہٰذا مسلم ہو یا مسلمہ سیسہ
پلائی دیوار کے مانند ہوتے۔ وہ گھرداری کے علاوہ پڑھتی لکھتی بھی
تھیں اور فن حرب میں بھی مہارت حاصل کرتی تھیں۔

آنحضرت صلعم نے غزوۂ بدر سے لے کر فتح مکہ تک اپنے

اپنے عملی کردار سے اپنے بدترین دشمنوں سے رحمدلی اور نیکی کے سلوک کر کے فن حرب کا نیا اصول قائم کیا۔ آپ نے فاتح کے لئے انتقام یا بدلہ لینے کے نظریہ کو بالکل بدل ڈالا۔ اس نظریہ کی وجہ سے نہایت خونخوار اور جانی دشمن آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے اور مجاہدین کے ساتھ شانہ بہ شانہ لڑ کر اسلامی فتوحات میں برابر حصہ لیا۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ اس نیک سلوک کی یادگار آج کل کا "ریڈ کراس" کا بین الاقوامی محکمہ ہے۔

۱۹۵۵ء میں میں نے اسلامی طریق جنگ نام کی کتاب لکھی یہ جولائی میں چھپی۔ اسی سال ستمبر میں چین (کمیونسٹ) کا سفیر میرے ہاں آیا اور مجھے چین جانے کی دعوت دی۔ مجھے تعجب سا ہوا کیونکہ میں نے کبھی کمیونزم کی طرف رجحان کا اظہار نہ کیا تھا۔ اس نے مجھے بتلایا کہ میری اردو میں تصنیف کردہ کتابوں کو چین میں بہت دلچسپی سے پڑھا گیا ہے بعض وجوہات سے میں اس سال نہ جا سکا اور ۱۹۵۸ء میں بھی مجھے نہایت افسوس کے ساتھ اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار کرنا پڑا۔

آخر کار میں ۱۹۵۹ء میں چین گیا تو معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ دلچسپی ان اسلامی طریق جنگ سے تھی کیونکہ وہ ماؤ سی ٹونگ کے طریقہ جنگ سے مشابہت رکھتی تھی۔ میں نے اپنی اس کتاب میں لکھا تھا کہ چینیوں کا دعویٰ کہ ان کا طریقہ جنگ اصل ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ اسلامی طریق جنگ تقریباً اس وقت ۱۴۰۰ سال پرانا تھا۔ ساتھ ہی میں نے یہ لکھ دیا تھا کہ ماؤ کے معنی محمد کے ہیں۔ لہٰذا کیا تعجب کہ چینی چیرمین

ماؤس ٹونگ کے جد امجد مسلمان تھے۔ دس دن اس مسئلہ پر بحث ہوتی رہی جو بہت ہی دلچسپ اور معنی خیز تھی۔ ہاں میں نے لکھا تھا کہ ماؤس ٹونگ کے بڑے نانا نے اسے خواب میں بشارت دی اور کہا کہ بٹیا میں تمہاری دلیری، عزم اور وطن پرستی کے جذبے دیکھ کر بیحد خوش ہوا ہوں۔ تم نے ۲۰ برس جرمن اور فرانسیسی فن حرب کے اصولوں پر قابلیت سے عمل کیا مگر کامیابی نصیب ہوئی۔ اب میری مانو تو حدیثِ نبا ع اور اسلامی طریق جنگ پر عمل کرو" وغیرہ

جب میں چیرمین ماؤس ٹونگ سے ملا تو میں نے ان کو بہت ہی مدبر، ذہین اور متحمل مزاج پایا۔ انھوں نے مزاحیہ طور سے مجھے فرمایا کہ بھئی تم نے خوب قصہ گھڑا ہے کہ میری کامیابی اسلامی طریقِ جنگ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ذرا تو کہو کہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ساری گفتگو کا یہاں لکھنا اپنے مقصد سے دور ہٹنا ہے۔ مختصراً میں نے عرض کیا کہ ناکامیابیوں کے بعد آپ نے ہجرت اختیار کی۔ وہاں اسلامی اصولوں پر پہلے سالاروں کو تربیت دی اور فوج کا نظم و ضبط قائم کیا۔ آپ نے عجلت سے پرہیز کیا اور اس وقت دشوار گذار پہاڑی علاقے میں پڑے رہے جب تک آپ کی فوج تربیت یافتہ ہو چکی اس میں نمایاں بات یہ تھی کہ آپ نے عورتوں کو کنیزوں اور لونڈیوں کے درجہ سے نکال کر ہر قسم کی مساوات دی۔ ان میں قابل خواتین کو سالار بھی بنایا۔ اس طرح ان کے دلوں میں کمتری کے احساسات

کو ختم کر دیا۔ یہاں تک کہ فاحشہ عورتوں کو تعلیم دے کر نیک پارسا خواتین بنا دیا۔ چنانچہ چین میں پہلی بار عورت کا مقام قائم کیا گیا میں نے ماؤ صاحب کی توجہ اس بات پر بھی دلائی کہ ان سے پہلے چین تو کیا یورپ بھر میں کبھی جنگی قیدیوں کے ساتھ نیک سلوک نہ کیا گیا۔ اس نیک سلوک کی وجہ سے مارشل چینگ کائی شیک کے ہزارہا سپاہی آپ کی فوج سے اسی طرح مل گئے جس طرح کہ چودہ سو برس پہلے ایرانی، رومی، شامی، مصری سپاہی اسلامی فوج سے مل گئے تھے۔ اسلام نے پہلی بار عورت کو امیر اور سالار کا درجہ دیا وغیرہ وغیرہ۔

اس بیان سے میرا مقصد یہ تھا کہ اسلام نے مرد اور عورت کے مقام کو قائم کرنے کے بعد مردوں کے دلوں سے یہ خیال مٹانے کی کوشش کی کہ ہر عورت ناقص العقل نہیں اور نہ ہی ہر مرد زیرک ہے۔ عورت کے ذمہ بچوں کی تربیت اور پرورش کی۔ مگر ساتھ ہی بوقت ضرورت اسے مجاہدہ کی شکل میں میدانِ جنگ میں بھی لا کر کھڑا کر دیا۔ اسکے ساتھ ہی نہایت قابل خواتین پیش کیں جو تعلیمی دینی اور معاشرتی اعتبار سے یکتا ثابت ہوئیں۔ مثلاً جب اسلام کا زوال شروع ہوا تو ایک طرف تو غوث اعظم جیسے مردِ مجاہد میدان میں لا کھڑے کئے اور دوسری طرف حضرت رابعہ بصری جیسی نیک خاتون کو اسلام کو پھر سے زندہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔

ہمارے مسائل؟ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ جب آنحضرت صلعم نے اشاعت اسلام کا کام شروع کیا تو آپ کی سب سے زبردست معاون اور پہلی مسلمان ایک خاتون تھیں یعنی حضرت خدیجہ رض۔ یہ دو مسلم پھر تین ہوئے اور پھر چار اور اس طرح دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا آنحضرت صلعم کی زندگی ہی میں خواتین اسلام نے اپنے لئے ایک نہایت ہی شاندار احادیث کو جمع کر دیا تھا جن میں عورت کی زندگی کو ہر رنگ اور ہر پہلو سے پیش کیا گیا۔ یہ حدیثی روایات جیسے جیسے وقت گذرتا گیا بھولے بسرے افسانے بن گئیں اور پھر ان کا نام لیوا کوئی بھی نہ رہا۔

محفل میلاد منعقد کرنے کا صرف ایک مقصد یہ ہے کہ ہم بار بار اپنے دل میں یہ سوچیں کہ ہم بحیثیت مسلمان آنحضرت صلعم اور ان کے صحابہ رض کی تقلید کر رہے ہیں یا نہیں۔ بدقسمتی سے فی زمانہ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ بہت تھوڑا۔ یہاں تک کہ محفل میلاد اب ہندوؤں کی محفلوں کے مشابہ ہو گئی ہے جہاں ہندوؤں میں پنڈت کے سوا ہندو دھرم کا جاننے والا کوئی نہیں۔ یہاں یہ محفل میلاد بھی ایک خاص گروہ کے ہاتھ میں ہے۔ بالخصوص خواتین کی محفل میلاد۔ جہاں ہر شہر میں پیشہ ور خواتین مقرر بنی ہیں جن کا علم گو بہت محدود ہے مگر وہ ڈرامائی اثرات کی مالک ہیں۔ اس سے میری مراد یہ نہیں کہ اس پیشہ ور

طبقہ کا ذریعہ معاش ختم کردوں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب ہر مسلمہ مجاہدہ ہو تو اسے اپنے دین کی اشاعت میں پوری سرگرمی سے حصہ لینا چاہیئے۔ وہ ایسا اسی وقت ہی کر سکتی ہیں جب کہ وہ اسلامی تعلیم سے اچھی طرح واقف ہوں۔

مردوں کی محفل میلاد میں شاید احساسِ برتری کی وجہ سے مجاہدہ کا ذکر نہیں آتا۔ مگر میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر خواتین کی محفلِ میلاد میں اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہوتا۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں لہٰذا اس بات کو جانتے ہوئے بھی آپ کیوں تصویر کے روشن رخ کو سامنے رکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ہم مشتے از خروارے خواتین اسلام کا ذکر لکھا ہے۔ ریسرچ سے اور کئی خواتین اسلام کے کارنامے آپ کے سامنے آئیں گے۔ کیا آپ نے دیانتداری سے اس بات پر غور کیا ہے کہ آپ ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ یا آپ کو اس کوشش سے کونسی بات روکتی ہے؟ کیا اس میں آپ کی اپنی کوتاہی ہے؟ یا اس کا سبب کوئی اور دباؤ ہے؟ اگر اس میں کوتاہی آپ کی اپنی ہے تو اس پر قابو پانے کے لئے آپ کوئی قدم کیوں نہیں اٹھاتیں اور اگر یہ کسی اور دباؤ کا نتیجہ ہے تو آپ نے اپنے تئیں اس دباؤ سے چھٹکارا دلانے کے لئے آگے کیوں نہیں بڑھتیں حضرت خدیجہ رضؓ فاطمہ زہرہ رضؓ۔ فاطمہ رضؓ بنت خطاب۔ عائشہ رضؓ صفیہ وغیرہ کے نقشِ قدم پر کیوں نہیں چلتیں؟ ان کے

کارنامے حدیث کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ وہ آپ کے لئے مشعل راہ بننے چاہیئں۔ آپ کا ذہن آپ کا ساتھ کیوں نہیں دیتا؟ آپ کے قدم زمین میں کیوں گڑے ہوئے ہیں؟ آپ کے اردگرد مایوسی کی دیوار بلند سے بلند تر کیوں ہوتی جا رہی ہے؛ خدانخواستہ اگر آپ اس صورتِ حال سے زیادہ دیر دو چار رہیں تو کہیں دنیا آپکی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ کیا آپ نے محسوس کیا ہے کہ آپ مغربی رنگ میں بری طرح سے رنگی گئی ہیں؛

بحیثیت مسلمہ یعنی مجاہدہ آپ کا زندگی کے بارے میں کیا نقطہ نظر ہے؛ اکثر سننے میں آتا ہے کہ آپ اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہیں۔ کونسی تدابیر پیر پرستی اور مزار پرستی سے آپ کو چھٹکارہ دلا سکتی ہیں؛

یاد رکھیئے کہ آنحضرت صلعم نے آج سے چودہ سو برس پہلے ان رسومات کے خلاف جہاد کیا تھا اور آپ نے بحیثیت پہلے حج میں بت شکنی کی تھی تاکہ "لات و منات" صفحہ ہستی سے مٹ جائیں کیا آپ کی آنکھیں اس جہاد کی چمک سے خالی ہیں جس نے خواتینِ اسلام کے ماحول کو مشرکین مکہ کے ناکہ بندی اور ہجرت کے وقت بھی جگمگا تا رکھا تھا۔ کیا آپ کے سامنے حضرت ہاجرہ رض کا عزم بحیثیت ماں اور بیوی کے موجود نہیں ہے؛ آپ میں سے بہت سوں کو اللہ تعالیٰ نے کئی بار حج کے فرائض کے ادا کرنے کا شرف بخشا ہے۔ حج کے

ارکان میں ماںتا کی محبت اور بیوی کو شوہر کی اطاعت کا رکن یعنی آبِ زمزم۔ صفا مروہ۔ منیٰ کا نہایت اہم درجہ رکھا گیا ہے۔ دراصل آپ تو احساسِ کمتری کا شکار بن گئی ہیں۔ اس لئے آپ تو ہر وقت صرف اپنے ماحول کی شکایت کرتی رہتی ہیں مگر اس سے رہائی کی تدبیر نہیں کرتیں۔ آپ کے لئے اس میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ یہ اسلامی روایات کے مترادف ہے۔ آپ کسی سمت میں اعتماد سے قدم نہیں رکھ سکتیں۔ کیونکہ آپ پر تو خوف طاری ہے۔ آپ اپنے کو ایسی دلدل میں پھنسا ہوا تصور کرتی ہیں کہ کہیں آپ نے اس دلدل سے نکلنے کی جدوجہد کی تو اور گہرائی میں نہ دھنس جائیں۔ اس بے جا خوف کی وجہ سے آپ نے اپنے لئے زندگی کے سارے راستے بند کر دیئے ہیں۔ آپ صبح سے شام تک اسی سوچ میں رہتی تو ہیں مگر اس سے چھٹکارے کی تجویز کی طرف دھیان نہیں فرمائیں۔ کیا آپ نے کی زندگی سے کوئی سبق نہیں سیکھا جس نے اسلام لانے سے پہلے حضرت عمرؓ جیسے مشہور جابر اور سخت گیر کو اپنے عزم اور ثابت قدمی سے سچائی کا راستہ دکھلایا۔ ہی کی صحبت نے فاطمہ بنت خطاب اور ان کے شوہر کو اسلام کی طرف راغب کیا۔ نے دنیا کو بتا دیا کہ ہمت زندگی میں کیا کیا معجزے دکھلا سکتی ہے اور عزم و حوصلہ کن کن بظاہر ناممکن باتوں کو ممکن بنا سکتا ہے۔

تعجب تو یہ کہ خواتین کے لئے اس قدر احادیث کے باوجود آپ

نہیں جانتیں کہ اسلامی نقطۂ نظر زندگی میں کیا کیا کردار ادا کر سکتا ہے مگر آپ نے تو اس نقطۂ نظر کو سینے سے چمٹا رکھا ہے کہ زندگی ایک بوجھل پتھر ہے۔ آپ اپنی لاعلمی احادیث سے دور کیجئے اور اس بوجھل پتھر کو "لات و منات" کی طرح سے جس قدر جلد ہو سکے جلد از جلد اتار پھینکئے۔

آپ نے زندگی کو محض جذبات کے حوالے کر رکھا ہے۔ معلوم نہیں کیوں مسلمہ ہوتے ہوئے آپ اپنی آنکھیں بند کیئے ہوئے ہیں اور ان جذباتی تصورات کے سلسلے کو ٹوٹنے نہیں دیتیں، گو اس سحر کو توڑنے کا ذریعہ آپ کے پاس ہے۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے حیوان انسان کو پہلا انسان بنایا تاکہ وہ اس بڑی حقیقت سے بے خبر ہو جائے جس سے وہ ابھی بے خبر تھا تاکہ وہ یہ محسوس کرے کہ زندگی کا راستہ ہموار نہیں ہے۔ اس میں کہیں نشیب ہے اور وہ کہیں فراز ہے۔ آنحضرت صلعم نے عوام کے ذہن نشین کیا کہ آپ چونکہ ایک خواب کے عالم میں زندگی گذار رہے ہیں لہٰذا آپ نے حضرت ابراہیمؑ کے اسلامی روایات کو بھلا دیا ہے۔ اس لئے آپ زندگی کی ٹھوس حقیقتوں سے فرار کے عادی ہو چکے ہیں۔ جہاں کہیں کسی ٹھوس حقیقت سے آپ کا سامنا ہوتا ہے۔ آپ فوراً اپنی ذات اور رسومات کے خول میں سمٹ جانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح سے آپ اپنے تئیں محفوظ سمجھتے ہیں

حالانکہ زندگی کی حقیقتیں بہت دور تک آپ کا پیچھا کرتی ہیں۔ آپؐ نے اپنے صحابہ رضؓ کے یہ امر ذہن نشین کرنے کے بعد ان کو انسان سے باخدا انسان بنایا تاکہ وہ جذباتی دنیا سے نکل کر عمل کے میدان میں آجائیں۔ ہاں عمل سے قبل تدبیر سوچنا شرط ہے۔

آنحضرت صلعم نے اس طرح سے ان کے دلوں کی تاریکی دور کی محفلِ میلاد کا درحقیقت مقصد یہی ہے کہ وہ ہمیں جگا کر غلط راستے سے بھٹکنے سے بچائے۔ عمل ہی آدمی کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ انسان کے لئے اس سے بڑا کوئی اعجاز نہیں ہے۔ عمل کی بدولت ہی حجاز کے ننگے بھوکے عربوں نے اسلامی جذبے سے سرشار ہو کر پہاڑوں کو رائی بنا دیا۔ دریا کو قطرہ کے برابر سمجھا۔ اس اسلامی جذبہ کے سیلاب کو کوئی روک نہ سکا۔ نہ تو روما اور ایران کی عظمت، اور کثیر دولت اور نہ ہی ان کے بیشمار جنگجو۔ مجاہدینِ اسلام کی اشاعت اسلام کی امنگوں پر پانی پھیر سکے۔ مسلمانوں کا جس طرف قدم اٹھتا تھا منزل اس سے قریب سے قریب تر ہوتی جاتی تھی۔ دنیا کے بہت بڑے حصے نے اسلام قبول کر لیا۔ بقول یول مورخ کے جو کام کہ مسیحی لیڈروں سے صدیوں میں سرانجام نہ ہو سکا تھا وہ آنحضرت صلعم نے چند سالوں میں پورا کر دیا۔

آنحضرت صلعم نے مجاہد کے ذہن نشین کیا کہ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ مسلم ہو یا مسلمہ اپنے اللہ پر بھروسہ کرے مگر تقدیر کے

ساتھ تدبیر کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔ اس کے بعد اپنے پر اعتماد
رکھے اور ساتھ ہی دوسروں پر بھروسہ اس وقت تک رکھے جب
تک ایسا نہ کرنے کے کوئی خاص وجوہات ہوں۔ بھروسہ مسلم کا شفیق
ہے۔ اس کی رفاقت مسلمان کو زندگی کے میدان میں آگے بڑھاتی
ہے اور اس کی شفقت زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ باعزت
زندہ رہنا ایک فن ہے۔ یہ ایک ایسا فن ہے جس کی بدولت،
آدمی کا ہر سانس امید کی جنت بن جاتی ہے۔ وہ ناامیدی کو سچ مچ
گناہ سمجھتا ہے۔ وہ ہر اس گر سے واقف ہو جاتا ہے جس سے
راحتوں اور مسرتوں کے بند دروازے خود بخود چوپٹ کھل جاتے
ہیں۔ کوئی راستہ اس کے لئے ناہموار اور مخدوش نہیں رہتا۔ اس کا
ہر قدم راستے میں ہمواری پیدا کرتا ہے۔ یہ ہیں وہ اسباق جو ہمیں
آنحضرت صلعم کی زندگی بحیثیت ایک مسلم کے اندر مجاہد میدان
جنگ غزوہ بدر سے غزوہ حنین و تبوک تک آشکارا کرتے ہیں
کس طرح سے خواتین اسلام اپنے مردوں کے ساتھ شانہ بہ شانہ
ہر جنگ کے میدان میں رہیں۔ سفر کی صعوبت و خطرات کی پرواہ نہ کی
رشتہ داری کے جذبات کو اسلامی جذبہ پر قربان کر دیا۔ بیٹی نے مشرک
باپ کی بات ماننے سے انکار محض انکار یا ھٹ کی خاطر منع نہیں کیا
بلکہ ایک مسلمہ کے فرائض کو پیش پیش رکھتے ہوئے اس مجاہدہ نے
ایسا کیا۔ اپنی لڑکی کی فرائض منصبی، سچائی اور اسلامی وقار نے ابوسفیان

کے سیاہ پتھر دل پر ایسا گہرا اثر کیا کہ اس نے اسلام قبول کیا۔

لیکن جہاں بھروسہ نہیں ہوتا جیسا کہ مشرکین قریش مکہ کو غزوۂ احد، خندق وغیرہ میں نہ تھا۔ وہاں زندگی اور کامیابی کا خزانہ مقفل رہتا ہے۔ بھروسے سے خالی انسان چونکہ اس قفل کو کھولنے کی بھرپور کوشش نہیں کر سکتا اس لئے وہ اپنے تئیں مشرکین قریش مکہ کی طرح سے اپنے غلط فیصلے سے تشفی دے لیتا ہے جیسا کہ قریش نے کہا کہ احد میں فتح تو ہماری ہوئی ہے۔ مسلمانوں کی یونہی کہنے سننے کی باتیں ہیں کہ ہم اپنے مورچے پر قائم ہیں ہمت ہے تو مقابلہ کر لو! وہ قریش کی طرح سے کہتا ہے۔ اب جوابی حملہ کرنے سے کیا ہاتھ آئیگا اگر ایسا نہ کیا تو کیا قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ ایسے اقدام سے ہم میں سے نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگی ایسے فیصلوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ قریش مکہ کی مسلمانوں کے ہاتھوں ہوئی۔

امید ہے کہ آپ نے پہلے ابواب سے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ارادہ اور فیصلہ کامیاب زندگی کے دو دوست ہیں۔ آنحضرت صلعم حضرت خدیجہ رض اور دیگر صحابہ رض خواتین کی زندگی کے حالات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کے بغیر زندگی کی عمارت معمولی سے معمولی حادثے کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جہاں مخالف ہوا کا کوئی جھونکا آتا ہے وہیں یہ دھڑام سے زمین پر گر پڑتی ہے اور ہم اسکے ملبے کے نیچے دب جاتے ہیں۔ کیا آپ نے ملبے کے نیچے دبے ہوئے

کسی آدمی کو دیکھا ہے؟

اپنے مسائل کے اوبزیانہ حقائق معلوم کیجئے اور ان پر اس وقت تک غور کیجئے جب تک آپ کو اس معاملے میں اپنی حقیقی پوزیشن کا پورا پورا اندازہ نہ ہوجائے۔ اس زمرہ میں ہم آپ کی توجہ مثال کے طور پر اس واقعہ کی طرف دلاتے ہیں جب آنحضرت صلعم نے ابوسفیان کی درخواست کا جواب خاموشی سے دیا تھا یمن کی مجاہدہ نے بتادیا کہ جارحانہ یا گوریلا قسم کی لڑائی کا منہ توڑ جواب کس طرح سے دیا جاتا ہے۔ مجاہدہ کے ساتھی نہایت برگزیدہ مجاہد تھے جن کی فضیلت پر ان کا عامل کا عہدہ آنحضرت صلعم نے عطا فرمایا تھا۔ اس یمن کے واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے۔ تاخیر اور جلد بازی اخلاقی کمزوری کی نشانی ہے۔ سوچیئے سمجھیئے اور پھر باعزم قدم اٹھایئے اور اسلامی احادیث اور صحیح اسلامی روایات یعنی جو قرآن مجید اور حدیث کے موافق ہیں ان کو اپنی مشعل راہ بنایئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیک اور سیدھے راستے پر چلائے آمین ثم آمین۔

رنگروٹ

دورِ حاضرہ اور حضرت حالی

مگر دینِ برحق کا بوسیدہ ایواں — تزلزل میں مدت سے ہیں جسکے ارکاں
زمانہ میں ہے جو کوئی دن کا مہماں — نہ پائیں گے ڈھونڈا جسے پھر مسلماں
عزیزوں نے اس سے توجہ ہٹالی
عمارت کا ہے اس کے اللہ والی

نہ علمِ شریعت کے ماہر کدھر ہیں — نہ اخبارِ دیں کے مبصر کدھر ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں — محدّث کہاں ہیں مفسر کدھر ہیں
وہ مجلس جو کل سربسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں

بہت لوگ بن کر ہوا خواہِ امت — سفیہوں سے منوا کے اپنی فضیلت
سدا گاؤں در گاؤں نوبت بہ نوبت — پڑے پھرتے ہیں کرتے تحصیلِ دولت
یہ ٹھہرے ہیں اسلام کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارثِ انبیا اب

بہت لوگ پیروں کی اولاد بنکر — نہیں ذاتِ والا میں کچھ جنکے جوہر
بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر — کہ تھے انکے اسلاف مقبولِ داور
کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے

یہ ہیں جادہ پیمائے راہِ طریقت — مقام ان کا ہے ماورائے شریعت
انھیں پہ ہے ختم آج کشف و کرامت — انھیں کے ہے قبضہ میں ہر اک کی قسمت

یہی ہیں مراد اور یہی ہیں مرید اب
یہی ہیں جنید اور یہی بایزید اب

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی — جگر جس سے شق ہو وہ تحریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی — مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی

یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے — تو گردن پہ بارِ گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے — تو قطعی خطابِ اہلِ دوزخ کا پائے

اگر اعتراض اسکی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے — کبھی جھاگ پہ جھاگ ہیں منہ پہ لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اسکو بتاتے — کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے

ستوں چشم بد دور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خُلقِ رسولِ امیں کے

جو چاہے کہ خوش ان سے ملکر ہو انساں — تو ہے شرط وہ قوم کا ہو مسلماں
نشاں سجدہ گاہ جبیں پہ نمایاں — تشرع میں اسکے نہ ہو کوئی نقصاں

لبیں بڑھ رہی ہوں نہ ڈاڑھی چڑھی ہو
ازار اپنی حد سے نہ آگے بڑھی ہو

علمی بکڈپو کی بہترین اور معیاری کتابیں

بی۔اے فرسٹ ایر

(۱) عقائد و نظریات	انور ہاشمی	۲/۵۰
(۲) تعلیمات اسلامی	صاحبزادہ محمد عابد حسن	۴/۵۰
(۳) AN INTRODUCTION TO ISLAMIC IDEOLOGY ANWAR HASHMI		۳/۰۰
(۴) اسلامی نظریہ حیات (سوالاً جواباً)		۲/۰۰
(۵) تاریخ اسلام ۔ عہد رسالت ۔عہد خلافت، عہد بنی امیہ دمشق، عہد بنی عباس		۸/۰۰
(۶) تاریخ اسلام	وزیر علی	۱۱/۰۰
(۷) تاریخ اسلام سوال وجواب ۔ خوشی محمد خاں		۳/۰۰
(۸) نئی نظری معاشیات	عظمت اللہ خان نشتر و خوشی محمد خان	۸/۰۰
(۹) معاشیات سوال وجواب	خوشی محمد خان	۵/۵۰
(۱۰) جدید نظری سیاسیات	شکیل احمد ضیا	۸/۰۰
(۱۱) اصول سیاسیات سوال وجواب	خوشی محمد خان	۵/۰۰
(۱۲) تاریخ پاکستان و ہند عہد عتیق سے زمانہ حال تک	شکیل احمد ضیا	۸/۰۰

علمی بک ڈپو کی بہترین اور معیاری کتابیں

بی۔ اے سیکنڈ ایئر

(۱)	مسلمان اندلس میں		۵/۰۰
(۲)	مسلمان مصر میں		۵/۰۰
(۳)	اسلامی تنظیمات	سید عین الحق	۵/۰۰
(۴)	خلافت عباسیہ اور فاطمین مصر	"	۵/۰۰
(۵)	معیشت پاکستان	شمیم احمد خان سوری	۸/۰۰
(۶)	معاشیات پاکستان	خوشی محمد خان	۳/۰۰
	سوال و جواب		
(۷)	مسائل زر سوالاً جواباً	خوشی محمد خان	۳/۰۰
(۸)	نئی نظری معاشیات	خوشی محمد خان	۳/۰۰
	زر و بنکاری		
(۹)	نفسیات کے اختباری مسائل	محمد فائق، خوشنودہ احمد طلعت پروین	۱۰/۰۰
(۱۰)	دساتیر عالم و مفکرین سیاسیات		۵/۰۰

میجر جنرل محمد اکبر خان کی
چند نادر کتب

ترکوں کی جدوجہد آزادی
محمد مصطفٰے کمال پاشا
بیسویں صدی کا مجاہد
تیمور لنگ
صلاح الدین ایوبی
ہمارا دفاع
اسلحہ جنگ
جہادِ صدیق
محمد بن قاسم
خالد بن ولید
اسلامی تحریک جنگ